30 سالہ کشمکش
افغانستان میں حکومت مخالف مزاحمت
1978-2011
ڈاکٹر انتونیو گسٹیزی
ترجمہ: محمد صفدر سحر
مشعل

1

30 سالہ کشمکش

افغانستان میں حکومت مخالف مزاحمت

1978-2011

مصنف

ڈاکٹر انتونیو گسٹیزی

مترجم

صفدر سحر

مشعل

آر۔بی5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور54600، پاکستان

MashalBooks.org

2

30سالہ کشمکش

افغانستان میں حکومت مخالف مزاحمت

1978-2011

ڈاکٹر انتونیو گسٹیزی

اردو ترجمہ: صفدر سحر

کاپی رائٹ اردو(c)2013 مشعل بکس
کاپی رائٹ(c)2012افغانستان ریسرچ اینڈ اویلیوایشن یونٹ

مشعل

آر۔بی5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور54600، پاکستان

MashalBooks.org

فہرست

MashalBooks.org

☆☆☆☆☆

MashalBooks.org

مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر انتونیو گسٹیزی کرائسس ریسرچ سنٹر میں محقق ہیں۔ انہوں نے متعدد تحقیقی مقالے اور کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی مدون کردہ کتابوں میں یہ اہم کتابیں شامل ہے۔

Empires of Mud.
War and Warlords in Afghanistan.
Decoding the New Taliban.

ان دنوں فاضل مصنف افغانستان میں گورنس کے موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں اور ان کا فوکس ملٹری، پولیس، خفیہ ادارے اور سب نیشنل سسٹم ہیں۔

MashalBooks.org

افغانستان ریسرچ اینڈ ایویلیویشن یونٹ کے بارے میں

افغانستان ریسرچ اینڈ ایویلیویشن یونٹ کابل میں موجود ایک خودمختار تحقیقی ادارہ ہے۔ ادارے کا مقصد پالیسی پر اثر انداز ہونا، پالیسی سازوں کو باخبر رکھنا اور اعلیٰ معیار کی تحقیق، خاص طور پر پالیسی سے متعلق تحقیق کرنا، اس کی نشرواشاعت کرنا اور تحقیق اور علوم کو فروغ دینا ہے۔ اس مقصد کے لیے ادارہ پالیسی سازوں، سول سوسائٹی، محققین اور طلبا کے ساتھ اشتراک کرتا ہے اور محققین کو اپنے تحقیقی مقالوں اور لائبریری تک رسائی کا موقع دیتا ہے تاکہ ان کی صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور انہیں بحث، غوروفکر اور تجزیوں کے لیے مواد میسر ہو۔ یہ ادارہ 2002 میں قائم ہوا۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز میں ڈونرز کے نمائندے، اقوام متحدہ اور دیگر ایجنسیوں کے نمائندے اور این جی اوز کے اہلکار شامل ہیں۔ ادارے کی مالی مدد ڈنمارک، ناروے سوئٹزرلینڈ کی حکومتیں کرتی ہیں۔ پروجیکٹس جو 2011 میں شروع ہوئے ان کی معاونت یورپی کمیشن، انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ ریسرچ سنٹر، ہیومینی ٹیرین ایڈ ڈیپارٹمنٹ آف دی یورپی یونین کمیشن، دی یوکے ڈیپارٹمنٹ آف انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ اور اقوام متحدہ کے عورتوں کے شعبے نے کی ہے۔

MashalBooks.org

7

خلاصہ

افغانستان میں گذشتہ 30 سالوں سے جاری جنگی صورت حال سے متعلق ادب میں گذشتہ کچھ سالوں کے دوران بے تحاشا اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ان ساختیاتی عوامل کی شناخت کی جا سکے جو افغان تاریخ میں مختلف تنازعات کے حوالے سے فعال رہے اور جو 1978 سے اب تک نمایاں انداز میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ جو تنازعات افغان تاریخ میں بعد میں آئے ان کے بیج اس نظام حکومت میں تھے جو انیسویں صدی میں ہمسایہ برطانوی مملکت اور روس کی زار حکومت سے مستعار لیا گیا تھا۔ اس نظام کی وجہ سے خاص طور پر دیہی اور شہری افغان علاقوں میں کشیدگی پیدا ہوئی، جو 1950 کی دہائی میں آنے والی جدیدیت کے بسبب کشیدہ تر ہو گئی۔ خلقی دور حکومت 79-1978 میں دیہی قدامت پرستی پر بھرپور وار ہوا جس کے ردعمل میں مقامی اپوزیشن گروپوں کی جانب سے اجتماعی ردعمل کے جذبے کو مہمیز ملی۔ ان مختلف گروپوں کے علاوہ سیاسی تنظیمیں، علما کے نیٹ ورکس اور پاکستانی ملٹری ایجنسیوں کے علاوہ متعدد ملکوں کے خفیہ ادارے بھی اس عمل میں شامل رہے۔ 1980 کی دہائی میں سوویت روس کی جارحیت نے تشدد کی مقامی حرکیات اور بھاری بیرونی معاونت کے ساتھ ملکر پہلے سے موجودہ تنازعات کو اور شدید کر دیا۔ اس پورے عمل میں نئے مفاد پرست گروہ ابھرے جن کے مفادات تنازعات کو طویل کرنے سے وابستہ تھے اور اس عمل میں پہلے سے موجود سماجی گروہوں کی بھی ماہیت قلبی ہوئی۔ پورے ملک میں موجود مختلف کمیونٹیوں نے مسلح فوجیں تیار کیں تاکہ ملک بھر میں پھیلے ڈاکوؤں اور شرپسندوں سے خود کو محفوظ کر سکیں ...... یوں 1880 تک امیر عبدالرحمٰن کی تشدد پر جو اجارہ داری قائم تھی، وہ کمزور ہو کر رہ گئی۔

MashalBooks.org

1992ء میں خانہ جنگی کی جوصورت حال ابھری اس میں نیشنل آرمی اور پولیس، بشمول سیکورٹی کے دوسرے ادارے سب کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ یہ ایک پیچیدہ عمل تھا۔ جس نے فسادات کی راہ ہموار کی اور نئی مجاہداشرافیہ میں اس خواہش کو بیدار کیا کہ وہ طاقت کا نیا منبع تشکیل دیں۔ مسلح مزاحمتی گروپ پیدا ہوئے جوجلد ہی غیر مربوط یانیم مربوط مسلح لشکروں میں ڈھل گئے اور جن پر ان کی سیاسی قیادت کا کنٹرول انتہائی محدود تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ افغانستان میں امیر عبدالرحمٰن کے دور سے پہلے والی ابتری دوبارہ درآئی اور وہ خودمختار مضبوط کمانڈر وجود میں آگئے جنہیں اپنا وفادار رکھنے کے لیے مرکزی حکومت کی ساری توانائیاں خرچ ہونے لگیں۔ عام طور پر افغانستان میں طالبان کے عروج کو94-1992 کے دوران پیدا ہونے والی ابترصورتحال سے جوڑا جاتا ہے تاہم اس وقت موجودسب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ یہ پتہ لگایا جائے کہ کیونکر افغانستان جیسے ٹوٹے پھوٹے معاشرے میں طالبان جیسی مربوط اور منظم تحریک کا جنم ہوا۔

2001ء میں نئی عبوری حکومت کا قیام اس عالم میں سامنے آیا کہ اسے کئی کمپرومائز کرنے پڑے۔ عبوری حکومت کو کرنا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ جو بھی انسانی وسائل موجود تھے ان کو استعمال میں لاتی اور جو کچھ بھی انتظامی مشینری بچ گئی تھی اسے فعال کرتی مگر حکومت نے تقسیم پیدا کرنے والے عناصر کی سرپرستی شروع کردی اور یوں مرکزی حکومت اپنے تمام اختیارات ان جنگجوسرداروں کے سامنے سرنڈر کرتی گئی جو طالبان مخالف اتحاد میں آگے آگے رہے تھے۔ یہ اور اس طرح کے چند دوسرے عوامل نے گورننس کے مظہر کو کمزور کر دیا اور حکومت کو قبولیت کی سند نہ مل سکی...... نتیجے میں کئی گروہ حکومت کے خلاف بغاوت کا علم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

2001ء کے بعد جوصورت حال بنی اور جو سماجی ثقافتی اور معاشی رجحانات پیدا ہوئے انہوں نے شہری اور دیہی افغان علاقوں میں موجود خلیج کو وسیع تر کیا اور یوں طالبان کو بھرتی کے لیے مناسب میدان مل گیا۔ معاشی ترقی صرف شہروں تک محدود ہوگئی۔ ماس میڈیا دیہی افغانیوں کو وقار نہ دے سکا اور سرمایہ دارانہ رویوں نے صرف دولت مند طبقوں کو اہمیت دے کر عام آبادی کو حکومت مخالف بنا دیا۔ اخراجات میں ہونے والے اضافے نے مہنگائی کے عفریت کو جگا دیا جس نے ان تمام لوگوں کو بری طرح نقصان پہنچایا جوامریکی مداخلت سے فائدہ

اٹھانے والوں میں شامل نہ تھے۔

طبقہ علما کو اس سارے عمل میں اور نئے سیاسی انتظام سے کچھ نہ ملا اور یوں وہ مخالفت کے حوالے سے خود کو بتدریج منظم کرتے گئے۔ مذہبی طبقے کے پھیلاؤ، اس کا فوجی اور جنگی تجربہ اور یہ حقیقت کہ یہ پورا طبقہ پہلے ایک ہی سیاسی تنظیم (حرکت انقلاب) سے منسلک تھا، ان تمام عوامل نے1994 میں مذہبی طبقے کی مسلح تحریک کے جنم لینے میں عمل انگیز کا کردار ادا کیا ۔علاوہ ازیں اس تحریک میں وہ تبلیغ بھی اپنا کردار ادا کر رہی تھی جو مذہبی طبقہ نو جوانوں میں جہاد کے حوالے سے کر رہا تھا۔ مقامی مذہبی طبقات کو اپنے ساتھ شامل کر کے طالبان نے نہ صرف وسعت اختیار کی بلکہ اپنے تحریکی ڈھانچے میں نوجوان نسل کو بھی بھرتی کرتے گئے جو ان نوجوانوں کے لیے مضبوط احساس شناخت میں ڈھلتا گیا۔ بتدریج طالبان حلقوں میں مذہبی طبقے کی حکومت کا خیال مضبوط ہو گیا اور2001 تک تو یہ خیال ہر طالب کی روح میں اتر چکا تھا۔

عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ طالبان کا انحصار اس غربت اور احساس محرومی پر تھا جو گاؤں کے جوانوں میں عام تھی تاہم اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس شواہد موجود نہیں ہیں۔ جوان افغانوں کے اس بغاوت کے ساتھ منسلک ہونے کی وجوہات کچھ بھی ہوں ایک بات طے ہے کہ جب طالبان کو اپنی تحریک کو سماجی رنگ دینے اور اپنے تصورات کو نئے طالبوں میں داخل کرنے میں کامیابی ملنا شروع ہوئی تو کرائے کے ٹٹوؤں کے طور پر لڑنے کے حوالے سے افغانوں کے عزائم ختم ہوتے گئے۔ جس طرح میدان جنگ میں طالبان ممبران نے رویہ ظاہر کیا وہ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ یہ لوگ کرائے کے سپاہی نہیں اور ان کے طویل المیعاد نظریاتی مقاصد ہیں جو انہیں برسر پیکار رکھے ہوئے ہیں۔

طالبان کے بارے میں ایک عمومی تاثر یہ بھی ہے کہ یہ ان پشتون افغانوں کا نمائندہ گروہ ہیں جو2001 میں ایسے عناصر کو طاقت اور ریاستی انتظام سونپنے کے نتیجے میں ابھرا جن کی بڑی اکثریت غیر پشتونوں پر مشتمل تھی۔ تاہم دوسری طرف اس حقیقت کے شواہد بھی موجود ہیں کہ طالبان اپنی تنظیم میں صرف پشتونوں کو ہی نہیں غیر پشتونوں کو بھی شامل کر رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ طالبان حامیوں میں سے کچھ لوگ2001 کے بعد اس تحریک کو پشتونوں کو طاقتور کرنے کی تحریک سمجھ رہے ہوں، تاہم شواہد کم بلکہ معدوم کے درجے میں ہیں کہ طالبان

بھرتی کے دوران پشتونوں یا غیر پشتونوں میں تمیز روا رکھتے ہیں ۔

اس کے برعکس اس بات کے شواہد البتہ موجود ہیں کہ طالبان مختلف گروہوں کے درمیان موجود جھگڑوں کو اپنی طاقت بڑھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کئی مواقع پر ایسا ہوا کہ طالبان احساس محرومی کے شکار کئی گروہوں اور طبقات کو اپنے ساتھ ملانے اور حکومت اور غیر ملکوں فوجوں سے انہیں لڑانے میں کامیاب رہے ۔ تاہم یہ موبلائزیشن زیادہ عرصے کے لیے نہ ہوسکی کیونکہ افغان گروہ حکومتی ردعمل اور غیر ملکوں فوجوں کے حملے کے سامنے زیادہ دیر نہ جم سکے اور خاص طور پر اس وقت تو یہ گروہ طالبان سے فوری الگ ہو گئے جب ان کا جانی نقصان زیادہ ہوا۔2011 میں گروہوں کو موبالائز کرنے کے طالبانی رجحان میں واضح کمی ہوئی ہے۔

تنازعات کو ہوا دینے کے حوالے سے پوست کے کردار کے حوالے سے آج تک کافی کچھ کہا جا چکا ہے جہاں ایک طرف یہ مان لینے میں کوئی حرج نہیں کہ جنگجو منشیات کی تجارت پر ٹیکس وصول کرتے ہیں وہاں یہ بیان مبالغہ آمیز ہے کہ اس قسم کی تجارت میں وہ براہِ راست ملوث ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ 2011 میں طالبان منشیات کے گڑھ جنوبی افغانستان سے دیگر علاقوں میں اپنی سرگرمیوں کو منتقل کر گئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس تجارت پر وصول ہونے والے ٹیکس کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ طالبان جو ریونیو خود جمع کرتے ہیں اس میں اگرچہ منشیات سے حاصل ہونے والے ریونیو کا تناسب زیادہ ہے تاہم اگر ان کے مجموعی ریونیو کے سورسز کے حوالے سے بات کی جائے تو اس میں زیادہ نمایاں حصہ اس معاونت کا ہے جو پاکستانی، ایرانی سورسز سے ان کے پاس پہنچا ہے۔ اسی طرح ترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے دی گئی مدد بھی تنازعات کو ہوا دینے اور طالبان کی معاشی سرگرمی کے حوالے سے اتنا ہی مضبوط کردار رکھتی ہے جتنی منشیات سے وصول ہونے والی آمدنی۔

2006 کے بعد بین الاقوامی فورسز کی بڑھتی ہوئی موجودگی جو وہاں جاری بغاوت کو کچلنے کے لیے موجود ہے، اس کا بھی متضاد اثر پڑا ہے اور غیر ملکی فوجی بغاوت کو وسیع کرنے کا سبب بنے ہیں۔ بہت سی مقامی طاقتیں امریکیوں کی وہاں موجودگی کے باعث طالبان سے دست تعاون بڑھا رہی ہیں۔ افغانستان میں بغاوت میں آنے والی حالیہ تندی بھی اسی ردعمل کا نتیجہ ہے جو غیر ملکی فوجوں کے حوالے سے افغان دے رہے ہیں۔

2001 کے بعد حانہ جنگی کی جو صورتِ حال بنی اس کی وضاحت کے لیے کسی ایک ایسے عامل کو جسے ''تمام عوامل کا عامل Driver of All Drivers'' کہا جا سکے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ طالبان متعدد گروہوں اور وجوہات کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ اس سے انہیں نئی توانائی ملی ہے۔ اور وہ اپنی اس نئی توانائی اور غصے کا رخ اس تذویراتی مقصد کے حصول کی طرف کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جس کے تحت افغانستان سے غیر ملکی افواج کو ملک سے بھگانا اور نئے سیاسی انتظام کو قائم کرنا ہے۔ طالبان اگرچہ قومیت کا نعرہ لگاتے ہیں تاہم انہیں اس مشکل کا بھی اندازہ ہے کہ اپنی قیادت کے تحت تمام مقامی گروہوں کا جمع ہو پانا مشکل ہے، اس لیے ان کی ترجیح افراد ہو گئے ہیں۔

جو مفروضے گردش میں ہیں ان کو قبول کرنے یا رد کرنے کے لیے ضروری ہو گا کہ ہماری معلومات کے مابین جو خلا ہیں انہیں پر کیا جائے خاص طور پر طالبان کے تنظیمی ڈھانچے کو ہم ابھی تک درست انداز میں نہیں سمجھ سکے ہیں۔ سماجی اور سیاسی حرکیات جیسا کہ دیہی، شہری تقسیم اور 2001 کے بعد نقد رقم کی آمدورفت کے حوالے سے بھی ہماری تفہیم ناقص ہے۔ یہ بھی واضح نہیں ہے کہ جنگ سے پہلے سماجی تنظیم کی جو حالت تھی وہ اب بھی ویسی ہے یا نہیں۔ اس پوری صورتِ حال کی واضح تفہیم کے لیے مستقبل میں ہونے والی تحقیق یقیناً مدد گار ثابت ہو گی۔

1۔تعارف

افغانستان میں تنازعات کو بڑھا وا دینے والے عوامل کے حوالے سے متعدد تشریحات موجود ہیں......خاص طور پر حکومت مخالف تحریکات کے حوالے سے وہ عوامل جو پالیسی کے حوالے سے بھی کارفرما ہیں۔ اس بحث کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود تنازعات کی تاریخ ۔یقیناً طالبان نے اس تنازع کو ''جہاد'' کا نام دے رکھا ہے جو وہ غیر ملکی قابض فوجوں اور کٹھ پتلی حکمرانوں کے خلاف کر رہے ہیں۔ غیر ملکی سکیورٹی فورسز جن میں ایساف افواج سب سے نمایاں ہے، ان کی طرف سے جو تشریحات کی جاتی ہیں ان میں غربت اور کرائے کے سپاہیوں کے کردار پر حد سے زیادہ زور دیا جاتا ہے ۔اگرچہ اب کچھ ایساف مبصرین بھی جزوی طور پر طالبان کی تشریح کو ہی قبول کرنے لگے ہیں۔ افغانستان کی پڑھی لکھی آبادی کے نکتہ ہائے نظر میں بھی اختلافات موجود ہیں۔ اس آبادی کا ایک حصہ بھی اب بیرونی طاقتوں کی مبینہ سازشوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ان میں سے ایک بھی نکتہ نظر ایسا نہیں کہ جو باعث حیرت کہا جا سکے۔ جو چیز باعث حیرت ہے وہ یہ ہے کہ 32 سال کی مسلسل جنگ، بشمول 9 سال سے جاری حالیہ تنازعہ، کے باوجود اب بھی پالیسی کے حوالے سے موجود ادب میں ایک چیز جو عنقا کے درجے میں ہے وہ ہے اس تنازع کے پس پردہ سیاسی وسماجی محرکات [۱]...... یہی وہ گمشدہ کڑی ہے جو اس مقالے کی وجہ جواز ہے...... اس مقالے کا واضح اور واحد مقصد ایک ایسی بحث کو شروع کرنا ہے جو 30 سالوں سے افغانستان میں جاری حکومت مخالف تحریکوں کے پیچھے کارفرما عوامل کا غیر جانبدارانہ انداز میں تجزیہ کر سکے۔ یوں اس مقالے کا بنیادی مقصد یہ قرار پاتا ہے کہ

افغانستان پر لکھے جانے والے ادب کے درمیان موجود خلا کو کم سے کم کیا جائے، مستقبل میں ضرورتوں اور مواقع کے حوالے سے تحقیق کی جائے اور کوشش کی جائے کہ وہ نقطہ آغاز مہیا ہو سکے جو جامع نہ بھی ہو تب بھی اتنا تفصیلی ضرور ہو کہ یہ حقیقت ہم پر کھل سکے کہ آخر موجودہ حالات میں جاری تحریکوں کے مرکزی محرکات کیا ہیں۔2001 کے بعد جاری موجودہ مسلح کشمکش کو1978 سے شروع ہونے والی خونریزی کا تیسرا فیز کہا جاتا ہے۔ سیاسی مبصرین کے نکتہ نظر سے یہ بات قابل بحث ہوسکتی ہے کہ تینوں فیزوں کے درمیان موجود امتیازات کو کم سے کم کرنے کی کوشش کس حد تک قابلِ قبول ہے۔ تاہم جب پس پردہ سماجی، ثقافتی اور سیاسی عوامل کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ موجودہ فیز کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پچھلے فیزوں پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے (اگرچہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تشدد ماضی قریب موجودہ تنازع کی وجہ ہے) طویل تنازع سماج کی تشکیل نو کرتے ہیں اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ وجوہات ہی بدل جاتی ہیں جن کو مدعا بنا کر تنازع شروع کیا گیا ہوتا ہے۔1970 کی دہائی میں ہونے والا اور یجنل عدم استحکام وہ بنیادی مقام ہے جس نے وہ ماحول پیدا کیا جس میں افغان آبادی کے مختلف سیکٹرز نے مختلف سیاسی تحریکوں کی تحریک پر خود کو فعال کیا...... ہر سیاسی تحریک کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ انقلاب لے کر آئے گی اور اپنے پیش رووں اور بیرونی جارحین سے قوم کو نجات دلائے گی۔ اس عمل نے افغان سماج کو بڑی حد تک بدل دیا بلکہ اس نے کئی سماجی طبقوں کو جنم دیا۔ دو سماجی طبقے جو اس عرصے میں ابھرے اپنے سیاسی کردار سے متعلق حد سے بڑھی انانیت کا شکار تھے...... یہ دو طبقے تھے مذہبی علماء اور فوجی پروفیشنل (جنہیں افغانستان میں ''کمانڈرز'' کہا جاتا ہے)۔[2]

موجودہ نزاعی صورت حال پر بحث سے قبل ''تاریخی پس منظر'' کے عنوان سے موجود اس مقالے کے باب میں1978 سے قبل کی سماجی و معاشی پیش رفتوں کو بحث کا موضوع بنایا گیا ہے۔ تنازعات کے عوامل کو فرد افراد نظر ثانی کے عمل سے گزارا گیا ہے تا کہ زمینی شہادتوں کے بالمقابل موجودہ لٹریچر کو پرکھا جا سکے۔ لازمی بات ہے کہ یہ امتیاز مصنوعی ہی ہے کیونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ ایک محکم سچ ہے کہ تنازع میں فعال مختلف عوامل باہمی طور پر ایک دوسرے سے منسلک ہو کر ہی کسی صورت حال کو جنم دیتے ہیں اور انہیں الگ کر کے نہیں دیکھا جا

سکتا۔ تنازع میں شریک عوامل کے تجزیے کا فوکس اگرچہ طالبان ہیں مگر جب طالبان کا تنظیمی سطح پر جائزہ لیا گیا تو کئی مشاہدات ایسے سامنے آئے جو1980 کی دہائی کے مجاہدین پر اور پوسٹ2001 کے ثانوی عاملین جیسے حزب اسلامی پر بھی یکساں صادق آتے ہیں۔ یوں وہ ابواب جن میں طالبان کی سرگرمیوں کے حوالے سے بحث کی گئی ہے وہ دیگر سیاسی تنظیموں کے لیے بطور مثال پیش ہو سکتے ہیں۔ (3)

طالبان کی تعریف

طالبان کو عموماً یوں ڈیفائن کیا جاتا ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے ملا عمر کی قیادت کو تسلیم کیا اور ان کی شوریٰ کے منصوبوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ بدلے میں طالبان کی قیادت نے انہیں تحریک کے رکن کے طور پر قبول کیا۔ اس کے مطلب یہ ہوا کہ حقانی نیٹ ورک (بہت سی نیٹ ورکس میں سے ایک جو طالبان سے مل کر تشکیل پائی ہیں اور جنوب مشرقی افغانستان میں یہ طاقت ور گروہ ہے) معاشی طور پر خود منحصر ہونے کے باوجود طالبان ہی ہے جبکہ حکمت یار کی حزب اسلامی لازماً طالبان میں شامل نہیں۔ اگرچہ حکمت یار نے متعدد مواقع پر طالبان سے تعلقات استوار کیے اور اس کے جوان طالبان کے ہمراہ کئی جنگی میدانوں میں لڑے بھی، مگر انہوں نے بطور الگ تنظیم اپنی شناخت کو ہمیشہ قائم رکھا۔ طالبان کی یہ تعریف دونوں پہلوؤں سے اس کی وضاحت کرتی ہے یعنی یہ ایک ایسی تنظیم ہے جو باہم مربوط ہے اور دوسرا پہلو کہ یہ ایک فرنچائز ہے جو مختلف عزائم کے حامل گروہوں اور بے چین لوگوں کو ایک چھتری فراہم کرتی ہے۔

دوسرے حصے میں افغان تنازع کے پہلے مرحلے (92-1978) کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگرچہ 1978 سے پہلے کابل کے سوا پورے ملک میں بمشکل ہی کوئی موبلائزیشن نظر آتی ہے مگر دو سال کے اندر ہی پورے افغانستان کا منظر نامہ بدل گیا۔1978 میں قائم ہونے والی نئی حکومت کے افعال اور1979 کی سوویت دخل اندازی کے بعد جو موبلائزیشن ہوئی اسے بھی بمشکل بغاوت یا تحریک مزاحمت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ جس امر کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ یہ موبلائزیشن کس طرح مخصوص شکل اختیار کر گئی اور کس طرح مختلف تنازعات کے دوران یہ شکلیں بدلتی گئیں۔

MashalBooks.org

مقالے کے تیسرے حصے میں دوسرے فیز (200-1992) کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ عموماً اس مرحلے کو ''خانہ جنگی'' کا دور کہا جاتا ہے حالانکہ خانہ جنگی کا عنصر 1978 سے 1992 کے عرصے میں بھی موجود تھا۔ اس فیز میں نظریاتی کشمکش شدت پسندی کے رجحان کی طرف مڑ گئی۔ طالبان کے بطور میجر طاقت ابھار سے پہلے یہ خانہ جنگی مختلف غیر منظّم گروہوں کی طاقت کے حصول کی ایک جنگ تھی۔ پھر بتدریج نسلی شناخت کے عنصر نے جڑ پکڑی، خاص طور پر اس وقت جب طالبان نے ان علاقوں میں قدم جمانا شروع کیے جہاں کی اکثریتی آبادی تاجک، ازبک اور ہزارہ لوگوں پر مشتمل تھی۔

چوتھے حصے میں پوسٹ 2001 کے فیز پر بحث کی گئی ہے۔ اس حصے میں بحث کو تفصیلی انداز میں کیا گیا ہے کیونکہ قارئین کی اکثریت کے لیے بڑی دلچسپی کا مرحلہ یہی ہے۔ افغانستان کے حوالے سے پالیسی میکرز میں بری اور کمزور حکومتوں کے حوالے سے جاری مباحث کو حکومت مخالف موبلائزیشن کے اہم فیکٹر کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ دوسری بڑی وجہ اس حوالے سے غربت اور پسماندگی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر جب مغربی حلقوں میں بحث کی جاتی ہے تو وہاں ایک اہم عامل کو جو ملک میں تنازعات کا سبب رہا ہے نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یہ عامل ہے افغانستان میں موجود مختلف نسلی گروہ......مگر جب افغانی یا علاقائی مبصرین ان تنازعات کے حوالے سے بحث کرتے ہیں تو وہ اس عامل کو اہم ترین عامل قرار دیتے ہیں۔ مختلف نسلی گروہوں کے درمیان موجود تنازعات کو حالیہ عرصے میں اہمیت دی جانے لگی ہے۔ دیہی شہری تقسیم کا عامل بھی انتہائی اہم عامل ہونے کے باوجود ابھی تک مبصرین کی وہ توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرا سکا ہے، جو کی جانی چاہیے تھی۔ اس مقالے کے عنوانات نمبر 5.5، 5.6 اور 5.7 میں اس عامل کو نمایاں کرنے کی کوششیں کی گئی ہے ۔اس حوالے سے بھی مباحث کو شامل کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی مداخلتوں کے اثرات کس حد تک ہیں اور اس کے مختلف پہلو کیا ہیں۔

طالبان کی تنظیمی ساخت کے پہلو کو بھی افغان مسئلے پر دستیاب ادب میں زیادہ جگہ نہیں مل سکی ہے۔ اس مقالے میں ایک پورا سیکشن اس حوالے سے مختص کیا گیا ہے جس میں طالبان کی مختلف طبقوں کے لوگوں کی مشکلات حل کرنے کی صلاحیت اور اپنے جھنڈے تلے جمع کر پانے کی صلاحیت پر بحث کی گئی ہے۔ چھٹے حصے میں اس حوالے سے بالواسطہ معلومات کو جمع

کیا گیا ہے۔

اگرچہ افغانستان میں حکومت مخالف تحریکوں کے عوامل کے حوالے سے یہ جامع مقالہ نہیں کہا جا سکتا تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس میں ان دلائل کو جو آجکل سرکولیشن میں ہیں مربوط انداز میں جمع کر دیا گیا ہے۔ مقالے کے آخری حصے میں نتائج کے عنوان سے جو سبق شامل کیا گیا ہے اس میں صورت حال کے تمام عوامل کا جامع تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے اور مختلف عوامل جو تحریکوں کا باعث ہوئے ان کا باہمی تعلق بھی واضح کیا گیا ہے۔

اس مقالے میں اس لٹریچر اور ان لکھاریوں کے کام کو بنیاد بنایا گیا ہے جو فیلڈ ریسرچ میں مصروف رہے۔ لٹریچر کا انتخاب کرتے ہوئے بھی بنیاد اس چیز کو بنایا گیا کہ وہ لٹریچر شامل کیا جائے جو زمینی حقائق اور تجربات سے قریب تر ہو۔ کسی نقطے کی وضاحت کے لیے بعض جگہوں پر پالیسی سازوں کے تبصروں اور کتابوں کو بھی مقالے میں شامل کیا گیا ہے تاہم عمومی حوالے سے اس نوع کے لٹریچر کو اس کتاب کی تیاری میں شامل نہیں کیا گیا۔ جس لٹریچر کا شامل کیا گیا ہے وہ کئی زبانوں میں ہے۔ ان زبانوں میں انگلش نمایاں ترین ہے جبکہ دیگر میں فرانسیسی، جرمن، روسی، اطالوی، دری اور پشتو زبانیں شامل ہیں۔ مختلف عوامل کی وضاحتوں کے لیے جن کتابوں کو شامل کیا گیا انہیں مصنفین کی طرف سے براہِ راست جمع کیے گئے مواد سے ملا دیا گیا ہے۔

MashalBooks.org

2۔ تاریخی پس منظر

2.1 ساختیاتی عوامل

انیسویں اور بیسویں صدی کے افغانستان پر نظر دوڑائیں تو بہت سے ایسے عوامل نظر آتے ہیں جنہوں نے اندرونی تنازعات کے حوالے سے ملک کو عدم استحکام سے دوچار کیے رکھا۔ عبدالرحمٰن سے پہلے ملک پر قبائل کے کمزور اتحاد کی حکومت رہی۔ اور یہ ایک ایسا طرز حکومت تھا جو طویل المعیاد حوالوں سے ناقابل بھروسہ کہا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت تو یہ نظام حکومت انتہائی ناقابل اعتماد تھا جب اسکے اوس پڑوس میں روس اور برطانیہ جیسی مستحکم حکومتیں بھی موجود تھیں۔ رحمان نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے ملک پر جو حکمت عملی استعمال کی وہ تھی تقسیم کر و اور حکومت کرو۔ اس نے ایک ایسے طرز حکومت کو رواج دیا جو استبدادی اور سخت آمرانہ نوعیت کا تھا اور اگرچہ اس کا انحصار برطانوی استعانت پر تھا تاہم اس کے ذریعے سے اس نے ایک ایسا نظام ترتیب دینے میں کامیابی حاصل کی جسے مربوط کہا جا سکتا تھا۔

عبدالرحمٰن کے بعد اس سیاسی انتظام میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ آئی۔ اس کے بعد آنیوالوں نے عبدالرحمٰن کے نظام حکومت کو ہی مستحکم کرنے کی کوشش کی اور مرکزی نظام حکومت کے حوالے سے کوششیں کیں اگرچہ اس کا خمیازہ سماجی آزادیوں کو محدود کرنے کی صورت میں نکلا۔ تاہم یہ نظام بھی پائیدار نہیں تھا کیونکہ اس میں مرکزی حکومت اپنے اتحادیوں تک کو طاقت حاصل کرنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ تقسیم کرو اور حکومت کرو سے مراد یہ تھی کہ ہمیشہ متبادل طبقہ

MashalBooks.org

اشرافیہ کو تیار رکھا جاتا تھا کہ اگر حکومت کے اتحادی شرفا میں سے کوئی حکومت کے زیادہ ٹیکسز، جبری بھرتیوں یا حکومت کے کسی اقدام کے خلاف آواز اٹھاتا، تو ان کی جگہ نئے اشرافیہ کو لے آیا جاسکتا۔ یہ کمزوری اس وقت محوری تشویش نہ ہوتی جب افغانستان بیرونی اثرات سے آزاد ہوتا تھا جیسا کہ عبدالرحمٰن اور اس کے جانشین حبیب اللہ خان کے دور میں تھا۔ تاہم ان ادوار میں جب طاقت ور ہمسایوں کی بیرونی مداخلت زور پکڑتی تھی تو ملک کی مختلف کمیونٹیز کے درمیان مخالفتیں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے دخل اندازوں کو دست تعاون مہیا کرتیں۔29-1928 میں (جب امان اللہ کے خلاف برطانوی طاقت سرگرم ہوئی تھی) یہ ہوا یا نہ ہوا تاہم یہ بات طے ہے کہ 1978 سے 2002 کے دوران یہ عمل بڑے پیمانے پر ہوا۔ (4)

2.2۔ دیہی اور شہری تقسیم

افغانستان کی تاریخ کا ایک ساختیاتی فیکٹر جس نے نمایاں کردار ادا کیا وہ ہے دیہی اور شہری تقسیم...... انیسویں صدی کے آخری حصے میں جب ملوکیت نے غلبے کے لیے دیہی علاقوں پر شہری علاقوں کے کنٹرول کو ذریعہ بنایا تو اس امر میں ایک فطری تناؤ انتظامیہ اور دیہی سماجوں کے مابین موجود تھا۔ پوری بیسویں صدی میں شہری حکام کا افغانستان کے دیہاتی علاقوں پر مکمل قبضہ رہا۔ اس شہری طرز زندگی نے مقامی دیہی اشرافیہ کو مجبور کیا کہ وہ اپنے اعلی سماجی رتبے کے اظہار کے لیے امپورٹڈ اشیا جیسے چینی کی بنی چیزیں، کیروسین، شوگر اور چائے کا استعمال کرتے ...... یہ اشیا وہ مہنگے داموں خریدتے تھے جبکہ دیہی معیشت بذات خود منجمد تھی۔ انیسویں صدی میں وارد ہونے والے زر کے تصور کی آمد اور پھیلاؤ نے بھی دیہی علاقوں کی فاضل آمدنی کو چوس لیا جس میں غیر متوازن تجارتی شرائط، جاگیرداروں کا منڈیوں کے لیے اشیا بنانے کا رویہ اور سرمایہ دارانہ رجحانات کا حاوی ہونا جیسے عوامل شامل تھے ...... یہ تمام عوامل بالخصوص بڑے شہروں کے قرب و جوار میں موجود دیہی علاقوں میں زیادہ طاقت ور تھے۔

اس عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقامی خانوں کی طاقت اور اثر و رسوخ میں نمایاں کمی آگئی، جو اس وقت بھی ریاست کی جانب سے عملداری کے سلسلے میں دیہی علاقوں میں انتظامیہ کے آلہ کار

تھے اور اس کے ساتھ دیہی آبادی سے ان کی مخاصمت بھی جاری تھی۔ حکومت کی جانب سے براہ راست ٹیکسوں کے نفاذ نے اس مخاصمت کو اور بھی محکم کیا۔ اگرچہ بیسویں صدی میں براہ راست ٹیکسوں کی مد میں حکومت کی آمدنی میں مسلسل زوال کا عمل جاری رہا تاہم اس کا اثر یہ ہوا کی کرپشن کو وہاں منظم ہونے کو موقع ہی نہ ملا بلکہ اسے قبول بھی کر لیا گیا حالانکہ بسا اوقات یہ کرپشن بے قابو اور ظلم کی حدوں کو چھونے لگی تھی۔ (5)

دیہی اور شہری مخاصمت کا یہ عمل سرکاری پالیسیوں کی وجہ سے اور بھی محکم ہوا۔1930 کی دہائی میں جدید تعلیمی اور سماجی اصلاحات متعارف کرائی گئیں مگر صرف شہروں میں...... دیہی علاقوں میں یہ تعلیمی اور سماجی اصلاحات1960اور1970 کی دہائیوں میں کہیں جا کر متعارف کرائی گئیں۔ (6) اگرچہ کسی نہ کسی طرح دیہی علاقوں میں جدیدیت کا عمل پھیلتا رہا، خاص طور پر بڑے شہروں کے قرب وجوار میں...... تاہم حکومت کا آزاد منڈی کا رویہ اس بات کو یقینی بناتا رہا کہ جدیدیت کے حوالے سے آنے والی ان تبدیلیوں کا اثر شہروں پر زیادہ رہے اور یوں دیہی علاقے اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔

ٹھیک اسی وقت یہ بھی مشاہدہ کیا جارہا تھا کہ حکومتی اشرافیہ کا تاجروں سے مخاصمانہ رویہ موجود ہے اور یہ رویہ انہیں 'مکمل جبری' مقام تک پہنچنے میں رکاوٹ ثابت ہوا۔ اس مظہر نے معاشی مضبوطی اور شہری ترقی کو کمزور کیا اور اس امر کو بھی یقینی بنادیا کہ اگرچہ دیہی سماج مغلوب اور معتوب تھا مگر ختم ہونے والا نہ تھا۔ اسی ماحول میں1960اور1970 کی دہائیوں میں دیہی علاقوں میں مفکرین کا ایک طبقہ ابھرا جو ایک بہت بڑی پیش رفت تھا۔ کیونکہ یہی وہ طبقہ تھا جس نے مذہبی طبقے کو ہی چیلنج نہ کیا بلکہ اس نے دیہی اشرافیہ کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔ جیسا کہ عمومی طور پر کہا بھی جاتا ہے کہ یہی وہ فرسٹریٹڈ طبقہ تھا جس نے خلق اور دیگر اس جیسے گروہوں کو جنم دیا، جنہوں نے خاموش بغاوت کو کھلی جارحیت کی شکل دے دی۔ خلقیوں نے کیونکہ پارٹی سٹیٹ ریاست کا تصور دیا اور خود کو ہی ریاست قرار دے دیا...... اس کے ردعمل میں شہری اشرافیہ اور دیہی آبادی نہ صرف خلق کے خلاف ہوگئی بلکہ وہ ریاست کے بھی دشمن بن گئے۔ دیہی علاقوں میں عرصے سے موجود فرسٹریشن اب اس مقام تک جا پہنچی تھی کہ وہ کھلے بندوں اپنا اظہار کر سکتی تھی۔ (7)

MashalBooks.org

3۔ نظری جنگ: 1978-92

3.1۔ بغاوت کا اظہار 1978-79

1978-79 کے واقعات جنھوں نے افغان تنازع کا آغاز کیا، نے اس عمومی لائن کا اظہار کر دیا کہ اب ملک کس طرف جائے گا۔ اگرچہ ابھی گھمبیر کرائسس کی وجوہات پوری طرح کھل کر سامنے نہ آئی تھیں۔ 27اپریل 1978 کا خلقی فوجی انقلاب وہ براہ راست عامل تھا جس نے واقعات کی رفتار تیز تر کر دی۔ مختلف مصنفین اس حوالے سے مختلف آرا رکھتے ہیں کہ اس مزاحمت کے عوامل کیا تھے؟ کچھ مصنفین کا خیال ہے کہ کیونکہ یہ حکومت لادین اور انتہا پسند تھی اس لیے اس کے خلاف بغاوت ناگزیر تھی۔[8] کچھ مبصرین کا خیال ہے کہ خلقیوں کی اصلاحات (لینڈ ریفارمز، دلہن کی قیمت مقرر کرنا اور تعلیمی اصلاحات کے حوالے سے مہم جوئی) جو دیہی آبادی کی خواہشوں کے خلاف کی گئیں اس حوالے سے اہم ترین عامل تھیں۔[9] اصلاحات اور خاص طور پر زمینوں کی تقسیم سے متعلق اصلاحات کے حوالے سے بھی ان مصنفین کی آرا کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی یہ کہ آیا خلقیوں نے جانتے بوجھتے دیہی سماج کے تار و پود کو غیر مستحکم کرنے کے خیال کے تحت یہ اصلاحات نافذ کیں تاکہ اجتماعیت کے لیے بنیادیں فراہم ہو پاتیں؟[10] یا یہ کہ ان اصلاحات کو صحیح تناظر میں نہ لیا گیا۔کیا یہ اصلاحات واقعی اہم اور بنیادی نوعیت کی تھیں؟......[11] غالبا ان اصلاحات کا اثر خطوں کے حساب سے مختلف ہوا۔ بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ وہ علاقے جہاں دیہی آبادی کا زیادہ تر حصہ بے زمین تھا ان علاقوں میں اولا ان اصلاحات نے لوگوں کی توجہ اپنی طرف

MashalBooks.org

مبذول کرائی تھی اور وہاں لوگوں کو یہ اصلاحات پسند آئیں۔(12)

کیونکہ خلقی قیادت کی اکثریت پشتون تھی اس لیے اس تنازع میں نسلی عنصر بھی شروع دن سے شامل تھا۔(13) تاہم جو بغاوت اس وقت ابھری اس میں نسل پرستی کے عناصر کی تہیں معدوم کے درجے میں تھیں۔(14) اہم ترین نقطہ یہ تھا کہ بغاوت زدہ علاقوں میں پشتون خود کو موبلائز کرنے کے حوالے سے بہت سست رفتار رہے...... وہ جنوب میں جزوی طور پر 1979 کے آخری حصے میں پہنچے اور مکمل طور پر سوویت حملے کے بعد، جبکہ مشرق میں 1979 کے آخر میں اور پکتیکا میں صرف جَجی قبیلے تک ہی محدود رہے۔(15)

خلقی حکومت کس علاقے میں کس حد تک موجود تھی......اس عمل نے بھی ان کی حکومت کی طرف رویے طے کرنے میں اہم کردار ادا کیا...... جغرافیہ اور سینٹر سے مختلف کمیونٹیز کے کم یا زیادہ فاصلے اور مختلف کمیونٹیز کا سوشل ٹرانسفارمیشن (ماہیت قلبی) کے حوالے سے اثرات کو قبول کرنے میں فرق بھی اہم وجوہات رہیں۔(16) وہ علاقے جہاں کمیونٹی ڈھانچے زوال کا شکار تھے اور جہاں ادارے بھی مضمحل تھے، وہاں کے لوگ نئی حکومت کی پالیسیوں کے حوالے سے زیادہ ہمدردانہ رویہ رکھتے تھے کیونکہ وہاں کی مقامی اشرافیہ کمزور تھی۔(17) یہی صورت حال ان علاقوں میں بھی تھی جہاں جاگیر دار اور ہاری مختلف کمیونٹیز سے متعلق تھے اور ان کے درمیان باہمی تعلق کمزور تھا۔(18)

نئی حکومت کی ناکامی میں اس کی انتظامی کمزوریوں کا بھی بڑا عمل دخل تھا۔ ایک تو خلقیوں کو اپنے پیشرو جمہوریت پسندوں اور ملوک سے کمزور انتظامی ڈھانچہ ملا تھا، دوسری طرف انہوں نے اپنے وفاداروں کو جو کہ ناتجربہ کار لوگ تھے، ان کے ہاتھ میں انتظام کی باگیں تھما دیں۔(19) کمزوری کا ایک اور پہلو ان تفاوتوں سے بھی عیاں تھا جو روس نواز بائیں بازو کے گروہوں کے مابین تھیں۔ یہ اندرونی تنازعات ان گروہوں کے مورال پر بھی منفی طور پر اثر انداز ہوئے......(20) اس کی ایک مثال وہ سازش ہے جو قدرے زیادہ روشن خیال گروپ پرچم اور بائیں بازو کے دیگر گروہوں کی جانب سے ترکئی اور اس کے نائب امین کے خلاف کی گئی تھی۔(21)

درج بالا دلائل ان مزید مباحث کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں جو منظم، مربوط اور اجتماعی اینٹی گورنمنٹ تحرّک کو عوامی اور پرتشدد تحریک کی طرف لے گئے۔ اس دور میں

MashalBooks.org

سوائے سیاسی تنظیموں اور گروہوں کی کچھ سرگرمیوں کے دیہی افغانستان میں کیا کچھ ہو رہا تھا، اس بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ کسی حد تک تفصیلی معلومات اب ہزارہ جات[22]، پیک[23]، اور نورستان[24] کے حوالے سے موجود ہیں اور یہ سارا تحقیقی کام بھی افغانی زبان میں کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صوبائی معلومات متعدد خودنوشتوں میں بھی دی گئی ہیں۔ یہ کام بھی ان لوگوں کی طرف سے کیا گیا تھا جو اس دور میں کسی نہ کسی گروہ کے ساتھ منسلک تھے...... اس لیے منظم مطالعے کی بجائے یہ تحریریں کسی نہ کسی مخصوص نکتہ نظر کو ملحوظ رکھ کر لکھی گئیں۔ راقم نے سابق مجاہدین کمانڈرز کے جو انٹرویوز کیے وہDorronsoro کے ان خیالات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مزاحمت کے ابتدائی آثار کے بعد جو صورت حال بنی وہ اشرافیہ اور عام لوگوں کے لیے ایک ہی طرح سے ناسازگار تھی۔[25] علاوہ ازیں اصلاحات کے حوالے سے مشورہ سازی کے عمل کی عدم موجودگی کے باعث عام لوگ ان اصلاحات سے لاتعلق رہے اور یوں یہ اصلاحات نا صرف یہ کہ ناقابل قبول قرار پائیں بلکہ ناقابل عمل بھی ٹھہریں۔[26] اگرچہ کسی خاص گروہ کے خلاف ظالمانہ پالیسیز اختیار نہیں کی گئی تھیں، مثلاً ملا یا خان وغیرہ کے خلاف تاہم سرعام جو سزائیں دی گئیں انہوں نے تقریباً اسی نوع کا تاثر کو پیدا کیا۔[27] ایک بات جس پر تمام مصنفین کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ نئی حکومت کی کمیونیکیشن پالیسی نا صرف غیر موثر تھی بلکہ دیہی آبادی کے لیے تو اس کے اثرات معکوس رہے۔ بائیں بازو کی علامتوں کے استعمال، مثال کے طور پر سرخ بینرز نے عام آبادی کو تو زیادہ متاثر نہ کیا تاہم طبقہ اشرافیہ اس سے خوفزدہ ہو گیا۔ علاوہ ازیں سوسائٹی کے ایک طبقے خاص طور پر مذہبی طبقے میں اس تاثر نے بھی اپنا کردار ادا کیا کہ سوویت یونین ایک ملحد حکومت ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ اور یجنل بغاوت میں افغانستان کے دیہی علاقوں نے کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ نئی حکومت کی ایک تو دیہاتی علاقوں میں عملداری محدود تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ دیہاتوں میں نہ تو جدید تعلیم پہنچی تھی اور نہ ہی وہاں لینڈ ریفارم کی ٹیمیں پہنچ سکی تھیں۔ کچھ دیہاتوں میں لوگوں کو ضلعی مراکز پر حملوں کے لیے اگرچہ تیار کیا گیا تھا تاہم مجموعی طور پر44000افغان دیہات کی اکثریت اس پورے عمل کو خاموش تماشائی کی نظر سے دیکھتی رہی یا پھر اس پیش رفت کو نظر انداز کرتی رہی کیونکہ وہاں پر اس حکومت کی

عملداری برائے نام تھی۔(28)

1978-79 کا دور اس حوالے سے اہم ہے کہ بعد میں جو پیش رفتیں ہوئیں وہ اسی دور کے پس منظر میں سمجھی جا سکتی تھیں۔ ملوکیت کی کنٹرول کی حکمت عملی کے برعکس ناتجربہ کار بائیں بازو کے حکمرانوں نے رحمان کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی کے مقابلے میں اتحاد کا ڈول ڈالا۔(29) انہوں نے بکھری ہوئی اور مختلف حکومت مخالف طاقتوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور اس کے بعد بچ جانے والے تمام گروہوں اور طبقات کو استبداد کا نشانہ بنایا۔ اسلامی خطرے کو سامنے رکھتے ہوئے ترکئی اور امین نے مذہبی مزاحمت کو متعین کرنے کی کوشش کی۔(30) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد جو حکومت مخالف مسلح جدوجہد شروع ہوئی اسے جہاد کا نام دیا گیا اور اس میں شامل لوگ مجاہدین قرار پائے۔ ابتدائی مزاحمت کے حوالے سے مذہبی طبقے کے کردار کو ناقص انداز سے سمجھا گیا،(31) پی ڈی پی اے کی حکومت نے ملا کو ان کی مخالفت کی بنیاد پر اپنا سب سے بڑا دشمن قرار دیا اور ان کے اس قیاس کی وجہ سے مذہبی طبقے پر جو تشدد روا رکھا گیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد ملا طبقے کے ہاتھ میں مزاحمت کی باگ ڈور آ گئی۔ پی ڈی پی اے کی جانب سے 'جارح ملحدیت' کا انکار عکاس تھا کہ 'ریاست کو جائز قرار دیے جانے کے لیے مذہبی عنصر لازم تھا'۔ مذہبی طور پر جائز قرار پانے کے حوالے سے جو نقصان ہوا اسے پشتون قومیت کے نعرے سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی مگر یہ کافی نہ تھا، اگرچہ اس سے پشتونوں کو مخالفت سے کسی حد تک باز رکھ لیا گیا۔(32)

3.2 سوویت قبضے کے اثرات: 1980-92

27 دسمبر 1979 کو روسی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں۔ یہ وہ نقطہ ہے جو اس تنازع کے لیے غیر متنازعہ طور پر ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ سوویت حملے کی بنیادی وجہ ترکئی کا قتل تھا جو امین نے کیا اور جس کے بعد وہ نہ صرف پارٹی پر قابض ہوا بلکہ ریاست پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے سب سے پہلے اپنی پارٹی سے ترکئی کے حامیوں کا صفایا کیا۔ مندرجہ بالا توضیح اگرچہ درست معلوم ہوتی ہے تاہم روسی دخل اندازی سے قبل اور بعد کی صورت حال میں امتیاز ان ڈاکومنٹس سے دھندلا گیا جو روسی افواج اور کے جی بی کی طرف سے جاری کیے گئے جس نے روایتی تصورات پر حملہ کیا کہ امین کی حکومت کے لیے کس درجہ کمپرومائز کیے گئے تھے۔

(33) یہ دھندلاہٹ مغربی مصنفین کی تحریروں میں بھی عیاں ہے۔ مثال کے طور پر کاکار اور اس کے ہمنوا اس خیال کے حامی نظر آتے ہیں کہ روسی جارحیت کے وقت امین کا افغان اقتدار پر مکمل قبضہ ہو چکا تھا۔ (34) تاہم زیادہ تر مصنفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ 27 دسمبر سے بھی کہیں پہلے امین کی حکومت کا محاصرہ ہو چکا تھا کیونکہ آرمی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی اور مخالفت بڑھ رہی تھی۔ (35)

مغربی اور مقامی مبصرین کے درمیان روسی جارحیت کے دور کے حوالے سے اس وقت بھی اختلافات تھے۔ کچھ کا خیال تھا کہ اس سے مزاحمت کی تحریک کو اور مہمیز ملے گی اور کچھ کہہ رہے تھے کہ روسی فوج اپوزیشن کو دبالے گی۔ایک طرف خلقی تھے جو نظام کو بچانے کے لیے اپوزیشن کا کردار ادا کر رہے تھے تو دوسری جانب سوویت فوجیں تھیں جو ملک کے استحکام اور جدیدیت لانے کی دعوی گو تھیں۔ تاہم ان روسی فوجوں کے حوالے سے جو تاثر ابھرا وہ یہ تھا کہ یہ حکومتی جماعت کے لیے سہولت کار ثابت ہوئیں اور ملکی حالات کو مزید ابتر کر دیا۔ اس تاثر نے مزاحمت کو اور مہمیز دی۔ (36) مغرب نے سوویت 40 ویں آرمی کے اہداف کو سمجھنے میں کوتاہی کی تاہم جو نقطہ یہاں متعلقہ ہے وہ یہ ہے کہ سوویت مداخلت جن علاقوں میں محکم طور پر سامنے آئی وہ علاقے مزاحمت سے متاثر نہیں تھے۔ مزاحمت اور بغاوت کے پھیلنے میں کئی ماہ لگے، تاہم 1981 تک عملاً افغانستان کا ہر علاقہ شورش کی زد میں تھا۔ (37)

ایسا کیوں ہوا؟ ابتدائی تشریحات جو اس حوالے سے سامنے آئیں ان کے مطابق سوویت مداخلت کا ذمہ دار، قوم پرستانہ ردعمل، روسی حمایت سے دستکش ہو گیا تھا۔ اس ردعمل کا اگر کوئی وجود تھا تو وہ شہری اشرافیہ اور شہری مڈل کلاس میں ہو گا۔ اس ردعمل کا بالواسطہ اثر پورے ملک پر بھی پڑا کیونکہ مداخلت کے سبب سے ریاست کا بچا کھچا ڈھانچہ بھی کمزور ہو گیا۔ اس ردعمل کا اثر دیہی مزاحمت پر بھی پڑا، جسکی وجہ طبقہ اشرافیہ اور مڈل کلاس کے وہ لوگ بنے جو شہروں کی ابتر صورت حال سے بھاگ کر دیہاتوں میں آئے۔ (38) ان بھاگنے والوں کی اکثریت بعدازاں جنگ میں شمولیت کی بجائے پاکستان کی حفاظت میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش میں پاکستان آ گئی۔

دیگر موضوعات کی طرح سوویت مداخلت کے افغانستان پر اثرات کے حوالے سے بھی لٹریچر میں حقیقی مباحث نظر نہیں آتے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس دور میں معلومات تک رسائی

MashalBooks.org

محدود تھی......1980 میں نہ مغربی صحافی اور نہ ہی روسی ان علاقوں کے دورے پر زیادہ جاتے تھے۔ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک پرفتن دور تھا جس میں مزاحمت کار جماعتیں منظّم تھیں اور نہ تحریک مزاحمت کے نمایاں ناموں کے بارے میں دنیا کو پتہ تھا۔ واضح طور پر روس نواز صدر کرمال کوشہری آبادی روسی پٹھو سمجھتی تھی، اس کے باوجود ماحول کو پرسکون کرنے کے حوالے سے نئے صدر کے بعض اقدامات کو خوش آمدید کہا گیا تاہم جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ روس جانے کے لیے نہیں آیا تو مزاحمت بھی بڑھنے لگی۔ خلقی دور کی طرح اس دور میں بھی دیہی حرکیات سے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہیں کہ کس طرح ان علاقوں میں اپوزیشن جماعتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئیں...... اگرچہ کچھ کیس سٹڈیز اس حوالے سے موجود ہیں۔ [39] یہ سٹڈیز بتاتی ہیں کہ مذہبی نیٹ ورکس نے بغاوت کی تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا اور پاکستان میں موجود پارٹیوں کے ساتھ ملکر کمیونل بغاوتوں کے آپشن کو منتخب کرلیا گیا۔

اس امر میں بہر حال کوئی شک نہیں کہ1980 کے بعد مسلح اپوزیشن تنظیمیں افغانستان میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی تھیں۔ [40] طویل جنگ نے کمیونٹیز کے شورش کا سامنا کرنے کا طریقہ بدل دیا اور یوں ریڈیکل تنظیموں (جیسا کہ اسلامی جماعتیں) صورت حال پر کنٹرول حاصل کرنے میں بتدریج کامیابی حاصل کرتی گئیں۔ اس امر نے پوری جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ پاکستان، سعوری عرب اور امریکہ کی جانب سے کاؤنٹر انٹرونشن نے گروہوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ ڈرامائی انداز میں اپنی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع تر کرتے گئے۔ ابتدائی سٹیج میں جو روایتی طرز جنگ اختیار کیا گیا وہ جلد ہی جدید گوریلا جنگ میں بدل گیا۔ [41]

مجوعی طور پر اگرچہ تحریک مزاحمت میں شامل تنظیموں کے مطالعے ہمارے پاس موجود ہیں، اہم قائدین کے حوالے سے تحقیقی مقالے بھی موجود ہیں، [42] اپوزیشن موومنٹس کے حوالے سے اعدادوشمار بھی موجود ہیں [43] اور حزب اسلامی کا کیس سٹڈی بھی سامنے ہے [44] تاہم 80 کی دہائی کی اس تحریک مزاحمت کی حرکیات کے حوالے سے ہماری تفہیم اس وقت بھی محدود ہے خاص طور پر اس حوالے سے تو کچھ بھی معلوم نہیں کہ پارٹی لیڈر شپ اور گراس روٹ جنگجوؤں کے درمیان کس طرح رابطے ہوئے۔

3.3 1980 کی دہائی میں موبلائزیشن

80 کی دہائی میں موبلائزیشن اپنی وسعت کی انتہاؤں پر تھی۔ علما، اسلام پسند جماعتیں، ماؤنواز اور دیگر سیاسی حلقوں نے حکومت کی مخالفت کی ٹھان لی جسے نہ صرف وہ ناپسند کرتے تھے بلکہ اس کے پری ایمپٹو استبداد کو اپنے لیے مہلک ترین خطرہ تصور کرتے تھے۔ گراس روٹ سطح پر تیاری بتدریج بڑھتی گئی اگرچہ اس موبلائزیشن کا انتظام سنبھالنے کے حوالے سے گاؤں کے بڑوں اور ملاؤں کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتدائی دنوں میں مزاحمتی تنظیمیں کمزور تھیں تاہم افغان کمیونٹیز نے اندرونی طور پر موبلائزیشن کے حوالے سے تیاری کر رکھی تھی۔ علاوہ ازیں جہاں سماجی اور سیاسی تبدیلیاں روبہ عمل لائی گئیں یا جہاں کمیونٹی کا ڈھانچہ کمزور تھا، وہاں موبلائزیشن کا عمل نہ صرف کمزور تھا بلکہ بائیں بازو کی اس حکومت کے حق میں جذبات موجود تھے جو اس بات کا عندیہ ہے کہ ان دنوں حکومت کے خلاف افراد کی موبلائزیشن (شہری ہو یا دیہاتی) مڈل کلاس کے باہر وقوع پزیر ہو رہی تھی۔[45] مقامی کمانڈر کمیونٹی کے اتفاق رائے کے پابند تھے ناں کہ جس طرح چاہتے لڑائی میں شامل ہو جاتے، یوں لگتا ہے کہ جن کمیونیٹز کی شاخت مضبوط تھی اور جہاں شورش شدید تھی وہاں کمانڈروں پر کمیونٹی کا کنٹرول بھی بہت زیادہ تھا۔ حتیٰ کہ وہ علاقے جو کمیونٹی لنکس کے حوالے سے شہرت نہ رکھتے تھے، وہاں بھی کمیونٹی کے بڑوں نے اہم کردار ادا کیا۔ دوسرہ طرف جہاں کمیونٹی کا اختیار کمزور تھا وہاں کمانڈروں کے اختیارات بے تحاشا تھے۔[46]

وارلارڈز کا عروج

1979 سے 1992 کے دوان مسلح گروپ جو شورش میں شامل تھا ان کے کردار میں سوویت انہدام کے بعد کئی تبدیلیاں آئیں، گراس روٹ موبلائزیشن کا ''وارلارڈزم'' میں بدلنا اور عام سماج سے ممتاز ایک فوجی طبقے کا وجود پزیر ہونا ایسے عوامل تھے جنھوں نے سماج پر دیرپا اثرات مرتب کیے۔ اس فوجی طبقے کی موجودگی جنوب میں تو انتہائی واضح تھی[47]، تاہم باقی ملک میں بھی یہ موجود تھے مگر مختلف درجے میں۔[48]

وارلارڈز سے متعلق کئی ابہام ہیں کیونکہ اس اصطلاح کو عموماً اور بلا امتیاز گالی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لٹریچر میں وارلارڈز سے مراد وہ کمانڈر لیے جاتے ہیں جنھوں نے سیاسی چین آف کمانڈ کو توڑا اور آزادانہ گروپ بنا کر لڑائی میں شرکت کی۔ مبصرین، تجزیہ

نگاروں اور سکالروں کے مابین کافی عرصے سے یہ نزاعی بحث جاری ہے کہ پنج شیری مزاحمت کے لڑاکا احمد شاہ مسعود کو وار لارڈ قرار دیا جائے یا قومی ہیرو؟ احمد شاہ مسعود کی اس شہرت کے پیچھے لوگوں کے ساتھ اس کے موثر تعلقات تھے یا واقعی زمینی حقیقت یہی تھی؟ کیونکہ مسعود واضح طور پر قومی سیاسی عزائم رکھتا تھا اس لیے اسے وارلارڈز کہہ دیا جانا غیر مناسب محسوس ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مسعود کی تنظیم کی ساخت بھی وارلارڈز کے گروہوں سے مختلف تھی مثال کے طور پر دوستم (49) اور اسمٰعیل خان (50) سے۔ اسی طرح مزاحمت میں شامل کئی سرکردہ لوگ، جن کی فہرست میں گلبدین حکمت یار کو پہلی پوزیشن دی جا سکتی ہے، ایسے تھے جو ملٹری لیڈر نہیں تھے بلکہ ان کے سیاسی عزائم تھے، چاہیے یہ عزائم جتنے بھی قابل اعتراض ہوں۔

حقیقی سوال یہ ابھرتا ہے کہ 90 کے دہائی میں افغان ریاست کے زوال کی وجوہات میں وارلارڈزم بنیادی وجہ تھی یا مرکزی حکومت کے انتہائی کمزور ہو جانے کی وجہ سے اس کا جنم ہوا۔

طول المیعاد موبلائزیشن اور سماجی انتشار

80 کی دہائی میں اسلامی پارٹیوں کے کارندوں کی کمیونٹی موبلائزیشن کے حوالے سے سرگرمی میں اضافہ ہوا...... خاص طور پر حزب اسلامی کے کیس میں ......اگرچہ حزب اسلامی کا گہرائی میں مطالعہ نہیں کیا گیا ہے تاہم یہ امر واضح ہے کہ مزاحمت کار گروپوں میں اس کے اہلکاروں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کمیونٹیز کے ساتھ حزب اسلامی کے تعلقات ہمیشہ رومانوی نہیں رہے، یہ الگ بات کہ اس حوالے سے تمام دستیاب معلومات کا ماخذ حزب اسلامی کی مخالف جمعیت اسلامی ہے۔ (51) اسلام پسندوں کے علاوہ وہ واحد گروپ جس کی کمونٹیز میں جڑیں تھیں وہ حرکت انقلاب تھا۔ حرکت انقلاب ایک ایسی تنظیم تھی جو مختلف علما کے نیٹ ورکس پر مشتمل تھی، طالبان بھی اسی کا ایک حصہ تھے (1990 میں طالبان اس تنظیم کا حصہ بنے) (52)۔ انیسویں صدی کے جہادوں کی طرح، علما نیٹ ورکس میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ کمیونٹیز میں بآسانی آپریٹ کر سکیں۔ یوں انہوں نے اپنے دائرہ اثر کی وجہ سے مختلف طبقوں کو متحد کرنے کا کردار نبھایا۔

MashalBooks.org

ان اپوزیشن پارٹیوں میں تنظیمی طور پر یہ صلاحیت موجود تھی کہ یہ جذباتی لوگوں اور کمیونٹیز کو ایک دوسرے کے قریب لا سکتیں۔ کچھ تنظیموں نے انفرادی نیٹ ورکس پر انحصار کیا (جیسے حرکت)، کچھ نے تنظیمی ساخت اور تربیت یافتہ کارندوں پر بھروسہ کیا (جیسے حزب اسلامی)، کچھ کا انحصار ان دونوں عوامل کے امتزاج پر رہا (جیسے جمعیت اسلامی)۔ مندرجہ بالا ہر نوع کے تنظیمی ماڈل کے کچھ فوائد تھے تو کچھ نقصانات۔ شاید جمعیت اسلامی کی مذہبی اپروچ کی وجہ سے اسے اپنی مخالف پارٹیوں کی نسبت زیادہ تیزی سے پھیلنے میں کامیابی ملی۔ اگرچہ یہاں یہ حقیقت بھی مدنظر رہنی چاہیے کہ 1980 کے بعد پارٹی کی افزائش کچھ علاقوں میں کم تر سطح پر ہو رہی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ شمالی علاقوں میں مزاحمت سست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ کیونکہ یہ علاقے پاکستان کی رسد کی حد سے بہت زیادہ دور تھے۔ اس حوالے سے وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو 80 کی دہائی کی ایک اہم پیش رفت کو اعلیٰ لٹریچر میں سنجیدگی سے نہیں لیا گیا اور یہ پیش رفت تھی کمیونٹیز کے باہمی جھگڑے۔ کچھ صحافیوں اور سابق مجاہدین کے مصنف کے ساتھ انٹرویوز کی روشنی میں جو چند شواہد سامنے آئے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ حکومت کی اثر پذیری کے انہدام کے بعد، خوابیدہ اور محدود تنازعات جو کہ دیہی علاقوں میں کمونٹیز کے مابین تھے، دوبارہ سر اٹھانے لگے تھے۔ مزاحمت کی تحریک کا انحصار کمیونٹیز پر ہونے کی وجہ سے، مختلف گروہوں نے معمولی سے اظہار وفاداری پر بھی فیاضانہ انداز سے اسلحہ تقسیم کیا (سوائے حزب اسلامی کے جو اسلحے کی تقسیم کے حوالے سے سخت اصولوں پر کار بند تھی)، اور پھر سیاحوں اور دیہی علاقوں کے مکینوں کو ڈاکو گروپوں سے جو عدم تحفظ کا سامنا تھا، اس حقیقت کا باعث بنا کہ 80 کی دہائی کے وسط تک افغانستان بھر میں ایک بھی گاؤں ایسا نہ تھا جو بھاری اسلحے سے لیس نہ ہو۔ جنگ کے کارن مچنے والی تباہی نے وسائل کے حوالے سے جو قحط سالی کا سماں پیدا کر دیا تھا اس کی وجہ سے پانی، مویشیوں، زمینوں سڑکوں اور رہ گزاروں پر کنٹرول کے حوالے سے لڑائیاں عروج پر تھیں۔ تنظیمیں اور قبائل اس منحوس چکر میں پھنس کر رہ گئے کہ مقامی اور قومی سطح کے مخالفین سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک دوسرے کو پیش کشیں کرنے لگے۔ قبائل آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اور مختلف تنظیموں کو بھی اپنی حمایت کے لیے اس باہمی لڑائی میں کھینچ لائے۔ جماعتیں بھی اپنے تسلط کو قائم کرنے کے لیے اس لڑائی میں کود پڑیں اور انہوں نے دعوت دینے والی کمیونٹیز کو چارے کے طور پر

MashalBooks.org

استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حتمی نتیجہ یہ نکلا کہ 80 کی دہائی میں جو جانی نقصان ہوا وہ انہی آپسی لڑائیوں کی وجہ سے تھا۔ (53) خاص طور پر ان دور دراز علاقوں میں جہاں روسی فوجیں اور ان کے افغان اتحادشاذ ہی گھس سکے (یہ علاقے 75 سے 90 فیصد تھے جہاں جنگ کے مختلف مراحل میں روسی فوجوں اور اس کے افغان اتحادی موجود نہیں ہوتے تھے) ان باہمی لڑائیوں کی وجہ سے بڑی تعداد میں عام شہری اور جنگجوؤں کی اموات ہوئیں۔ (54)

ہمہ جہت مزاحمتی جماعتیں اور مقامی قبائل کی آپسی مخاصمتیں جو سوویت فوج اور کابل میں بائیں بازو کی حکومت جیسے عوامل کے علاوہ تھیں، اس خدشے کو حقیقی بنا رہی تھیں کہ اگر روسی افواج افغانستان سے نکل بھی جاتیں تو خانہ جنگی کی سرگرمیوں کو زندہ رکھنے کے لیے کافی سورسز موجود تھے۔ روسی ذرائع اور افغانستان میں موجود مبصر جیسے Dorronsoro بھی اتفاق کرتے ہیں کہ89-1988 میں جب روسی افواج کے انخلا کا عمل جاری تھا، تو تحریک مزاحمت جہاد کے تصور کو کھو رہی تھی، مذہبی طبقے نے تو اس عرصے میں خود کو ڈی موبلائز کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔(55) روسی افواج کا انخلا تنازع کا خاتمہ نہیں تھا بلکہ صرف تنازع کی نوعیت میں تبدیلی آ رہی تھی، جیسا کہ اوپر کی بحث ثابت کرتی ہے۔89-1988 میں تنازعہ اس مقام تک پہنچ چکا تھا کہ یہ اپنی پرورش خود کرنے لگا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آبادی کا ایک حصہ (خاص طور پر وہ جو مقامی اور قومی سطح پر اقتدار سے جڑا تھا) جس کے ذاتی مفادات عدم استحکام اور لاقانونیت سے جڑے تھے۔ عدم استحکام کی کچھ سیاسی وجوہات بھی تھیں، مثال کے طور پر کسی سیاسی سمجھوتے تک پہنچنے میں ناکامی، تاہم شواہد بتاتے ہیں کہ جو چھوٹی چھوٹی جنگیں ملک کے طول و عرض میں جاری تھیں وہ بھی کسی متفق علیہ سیاسی سمجھوتے کے امکان کی جڑیں کھودنے کا سبب تھیں۔ اس حوالے سے ذیل میں ہزارہ جات کی کیس سٹڈی کو شامل بحث کیا گیا ہے جو اس مظہر پر روشنی ڈالنے کے لے کافی ہے...... ایرانی سیاسی مداخلت نے ملٹری کلاس کو لڑائی پر راضی کیا اور سیاست دانوں کی اطاعت پر اکسایا اور کہا کہ89-1988 میں ہونے والے سیاسی سمجھوتے پر اتفاق کیا جائے۔(56)

3.4۔1978-92 کے دور کی افغانی تشریحات

1978_92 کے جہاد افغانستان کا دور افغان لکھاریوں میں بہت پاپولر رہا ہے جن کی تشریحات

کا فوکس بین الاقوامی پہلو تھا۔ تاہم مجموعی صورت حال کو صرف سازشی تھیوریز تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی بجائے بیرونی تشریحات اب اس بات پر زور دیتی ہیں کہ کیسے صدر داؤد (1973_78) سپر پاورز کی آپسی دشمنی میں جا گھسا، جب روسی اس کی پیٹھ تھپتھپا رہے تھے کہ پاکستان کے خلاف پشتونستان تحریک کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ (57) جدید مصنفین بھی اب یہ قبول کرتے ہیں کہ دسمبر1979 میں روسی افواج کی افغانستان پر چڑھائی کا اہم عامل بحیرہ ہند کے گرم پانیوں تک رسائی نہیں تھا بلکہ اس مداخلت کا مقصد خلقی حکومت کو مضبوط کرنا تھا تاکہ اسلام پسندوں کے خطرات کا مقابلہ کیا جاتا اور چین اور امریکہ سے مقابلہ کیا جاتا۔ (58)

وہ افغان مصنفین جو مغربی لٹریچر تک رسائی رکھتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ بیرونی مداخلت ہر بار منفی ثابت نہیں ہوئی۔ گورباچوف نے جو اصلاحات روس میں نافذ کیں ان کے اثرات افغانستان پر بھی بعجلت پڑے۔ کرمال کی جگہ صدارت پر نجیب اللہ کو فائز کیا جانا اور1987 میں قومی مصالحتی پالیسی کا اجرا اس حوالے سے مثال کے طور پر پیش کر جا سکتی ہیں۔ (59) علاوہ ازیں بائیں بازو کی باہمی رنجشوں کو بھی روس نے کم کیا...... روس کے انخلا کے بعد پارٹی کے اندر مقابلے اور مخاصمتیں بڑھ گئیں، نتیجہ1990 میں طنائی کے فوجی قبضے کی صورت میں نکلا۔ بعدازاں پروکمال پرچم پارٹی کے گروہ نے نجیب اللہ کو اقتدار سے سے ہٹایا اور طاقت مسعود کو سونپ دی۔ (60)

تاہم یہ حقیقت ہے کہ افغان تشریحات کے حوالے سے نظریاتی توضیحات اور سازشی تھیوریز پاپولر رہی ہیں خاص طور پر ان لکھاریوں میں جو جمعیت اسلامی سے تعلق رکھتے تھے یا اسلامی رجحانات کا حامل تھے۔ ان کی طرف سے PDPA کی ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری بھی روس پر ڈالی جاتی ہے۔ (61) اس نکتہ نظر کے حاملین کا ماننا ہے کہ ماسکو چاہتا تھا کہ مختلف گروہ افغانستان کے مختلف نسلی اور سماجی طبقات میں اپنے دائرہ اثر کو توسیع دیں۔ (62) کولڈوار تھیوریز ان خطوط پر قائم تھیں کہ سوویت یونین جنوب کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا تھا تاکہ افغانستان کے قدرتی وسائل پر اس کا قبضہ ہو سکے اور PDPA کو پٹھو اتحاد کہا جاتا رہا...... یہ تصورات بار بار دہرائے گئے خاص طور پر اسلام پسند مصنفین کی جانب سے۔ (63) اس کے علاوہ یہ مصنفین اس بات پر بھی قائل رہے ہیں کہ ثور فوجی قبضہ افغانی کمیونسٹوں کا قدم نہیں

تھا بلکہ اس کی منصوبہ بندی روس نے کی تھی تا کہ وہ افغانستان میں اپنے طویل المیعاد مفادات کو محفوظ کر سکتا۔ ترکئی کو انقلابی کونسل کے ہیڈ کے طور پر اسی لیے چنا گیا کہ وہ کمزور اور نیم خواندہ تھا، تا کہ وہ سوویتوں کے کالونیل عزائم کی حمایت کرتا رہے۔

اس حوالے سے1978-92 کے دور میں پاکستان کا کردار متنازعہ ہے۔ غالب تصور یہ ہے کہ ضیاالحق اور دیگر پاکستانی اہلکاروں نے پاکستان میں 7 متحارب مجاہدین جماعتوں کے اتحاد کی حوصلہ افزائی کی۔ پاکستان نے بیرونی فوجی امداد کو اپنی فوج کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال کیا اور مجاہدین کو پرانے ہتھیارے دیے۔ اس کے علاوہ عرب اور مغربی ملکوں کے فنڈز میں بھی خرد برد کی۔ پاکستان نے مجاہدین کے درمیان اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ ان اختلاف کو ہوا دی اور صرف ان گروہوں اور پارٹیوں کو سپورٹ کیا جو اس کے خیال میں مستقبل میں افغانستان میں اس کے مفادات کے نگہبان ہو سکتے تھے۔ اس کے برعکس پاکستان کے حوالے سے نرم رویے کے حامل مصنفین ضیاالحق کے کردار کو مثبت قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اتنی زیادہ پارٹیوں کا بننا اور اندرونی اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ جہاد کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا، قبائلی ساختیں ایسی تھیں اور افغانستان مقامی و سیاسی جغرافیے کا بھی اس میں کردار تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر پاکستان کے اختیار میں ہوتا تو وہ تمام متحارب گروہوں کو حزب اسلامی میں ضم کرا دیتا۔ مگر یہی مصنفین اس کے برعکس پاکستان پر یہ تنقید کرتے بھی نظر آتے ہیں کہ اسلحے کی تقسیم کے حوالے سے پاکستان نے مختلف جہادی گروہوں میں امتیازی پالیس روا رکھی۔ (65)

اسی طرح مزاحمتی تحریک میں اندرونی تشدد کے حوالے سے اسلامی تحریکوں کی نظریاتی تقسیم نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔ (66) بائیں بازو کی نسبت اسلام پسندوں کو یہ مسئلہ نہیں تھا کہ وہ مقامی ثقافت اور مقامی لوگوں کے مذہب کے حوالے سے اجنبیت محسوس کرتے، لیکن اس کے باوجود سماجی حلقوں میں ان کی جڑیں گہری نہیں تھیں۔ (67) یہی کمزور سماجی بنیادیں انہیں پاکستان پر انحصار کروانے پر مجبور کر گئیں، اوران کی وجہ سے پاکستان کو کھل کھیلنے کا موقع ملا، جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ (68) افغان لٹریچر سیاسی حرکیات کی تشریح کے حوالے سے ذاتی دشمنیوں پر اصرار کرتا نظر آتا ہے۔ خلق اور پرچم کے تنازع کو بھی وہ انہی اصطلاحات میں بیان کرتا ہے اور مجاہدین گروہوں کی مخاصمتوں کو بھی اسی عینک سے دیکھتا ہے۔ (69) دوسری

جانب بائیں بازو کے تمام مصنفین خلقی حکومت کی ناکامی کو روایت اور سماج کے قدیمی معاشی اداروں کے تناظر میں دیکھتے ہیں جو انقلاب کے فطری حلیفوں کو بھی اس کے مخالف کیمپ میں لے گئے۔ علاوہ ازیں ان مصنفین کا یہ بھی ماننا ہے کہ ایک ہی پارٹی میں تمام طاقت کو یکجا کر دیے جانے کی وجہ سے عام عوام ''انقلابی دستوں'' سے دور ہوتے گئے۔ (70) اگرچہ جہادی جنگوں کے حوالے سے افغان لٹریچر میں تفصیلی مباحث موجود ہیں تاہم موبلائزیشن کا تجزیہ باریک بینی سے کہیں بھی کیا ہوا نظر نہیں آتا۔ مجاہدین کے باہمی جھگڑے جو90 اور 80 کی دہائی میں عام تھے ان کی عام طور پر تشریح یوں کی جاتی ہے۔

(1) دولت کا جمع ہونا

(2) کے جی بی اور کھاد کا کردار جس نے اندرونی مخاصمتوں کو ابھارا

(3) حلیف ملکوں کی مداخلت جن میں آئی ایس آئی اور پاکستان کی مذہبی جماعتیں شامل ہیں۔

(4) عربوں نے بھی متحارب گروہوں کو فنڈ مہیا کر کے اندرونی تنازعات کو ہوا دی۔ (71)

ان سب تشریحات سے زیادہ دقیق تجزیہ وارساجی کا ہے جو افغانستان کے قبائلی ڈھانچے کو بیرونی مداخلتوں کے حوالے سے سہولت کار مانتا ہے۔ (72) علاوہ ازیں وہ چند دیگر عوامل کو بھی تسلیم کرتا ہے جو تحریک مزاحمت میں ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا سبب بنے۔ ان عوامل میں سیاسی گروہوں اور شخصیات کی ذاتی خواہشات اور رویے اور گہری سماجی تقسیم وغیرہ کو وارساجی نے اہم فیکٹرز قرار دیا۔ (73) فاضل مصنف درج ذیل وجوہات کو اندرونی مخاصمتوں کی وجہ قرار دیتا ہے۔

(1) سیاسی، معاشی اور ثقافتی پس ماندگی۔

(2) آمرانہ استبداد کا کلچر۔

(3) قدامت پرست معاشرے کی قبائلی اور جنگجویانہ روح۔

(4) آمرانہ حکومتیں جو اپنے پیچھے نسلی تعصب اور امتیاز کی وراثت چھوڑ گئیں۔ (74)

3.5 تنازع کے معاشی عوامل 92_1978

80 کی دہائی میں اپنے سرپرستوں کی طرف سے افغانستان میں متحارب گروہوں کو بھاری مالی

مدد مل رہی تھی۔ یوں افغان سیاسی تنظیموں کا اس امداد پر انحصار بہت بڑھ گیا اس انحصار میں اضافے کی وجہ خوراک کی پیداوار میں وہ کمی بھی تھی جسکا سبب جنگ تھی۔ حکومتی کنٹرول جوں ہی ڈھیلا پڑا ہر قسم کی ناجائز سمگلنگ بشمول منشیات تیزی سے پھیلی اور اتنی وسعت اختیار کر گئی کہ فوجی و سیاسی تنظیموں کی فنڈنگ کا بنیادی ماخذ بن گئی۔ جنگ نے دونوں فریقوں کے لیے معاشی مفاد تخلیق کر دیے تھے۔

1987 کے بعد جب روسی افواج نے قدم ہٹانے شروع کر دیے تھے، جس کا لازمی مطلب یہ تھا کہ ان کی معاونت بھی کم ہو رہی تھی، افغان ردعمل اس پس قدمی کو مشکل بنا رہا تھا۔ روس نواز جنگی عناصر اس تصور کے ہی مخالف تھے کہ روس نکل جائے اور وہ تنہا یہ جنگ سنبھالیں اور جب روسی انخلا ناگزیر نظر آنے لگا تو ان عناصر کی بے چینی بھی بڑھنے لگی۔ (75) 90 کی دہائی کے شروع میں بیرونی امداد تقریباً ختم ہو چکی تھی، جس کی وجہ سے سمگلنگ روبہ عروج تھی۔ وہ طاقتیں جن کا تخت پر قبضہ تھا انہوں نے دھڑا دھڑ نوٹ چھاپ کر جنگ کو زندہ رکھنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس عمل نے افراط زر اور مہنگائی کے عفریت کو بے قابو کر کے پہلے سے کمزور معیشت کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اس کے بعد پوست کی کاشت کا کلچر اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اس دور میں آمدنی کے دیگر ذرائع میں عام لوگوں پر ٹیکس، سڑکوں پر ٹیکس اور بلیک مارکیٹ میں اسلحے کی فروخت جیسی سرگرمیوں میں بھی کئی گنا اضافہ ہوا۔ (76)

ریونیو کے نظام کے ڈی سنٹرلائز ہوتے ساتھ ہی مقامی کمانڈر جنھیں پہلے ٹاپ لیڈر نظر انداز کرتے رہے تھے، کھل کھیلنے لگے۔ وہ گروہ بھی اس حوالے سے سرگرم ہو گئے جو روس نواز تھے اور جنھیں 1991 تک روسی مدد ملنا بالکل بند ہو چکی تھی۔ اس موقع پر لیڈرشپ یہ سوچنے لگی کہ آیا سمجھوتہ بازی ان کے مفاد کو محفوظ کرنے کا سبب بن سکتی ہے کہ نہیں۔ تاہم امن کے مواقع یوں محدود ہو گئے کہ اس دور میں کوئی قابل بھروسہ اور قابل قبول بیرونی مصالحت کار موجود نہ تھا۔ (77)

4۔ گروہی جنگوں کا دور: 1992-2001

4.1۔ وارلارڈز کا دور 1992-96

سول وار کی حرکیات اب مترشح تھیں، خاص طور پر شمالی افغانستان میں۔ متحارب وار لارڈز کو ملٹری کلاس اس تنازع میں گھسیٹ لائی جس کے پیش نظر اپنی ٹیکس بیس کو بڑھانا اور زیادہ سے زیادہ علاقوں کو اپنے زیر نگیں لانا تھا۔ مرکز کے ساتھ لڑائی (مرکز میں اسوقت ربانی کی حکومت تھی، جس نے 1992 میں یہ حکومت حاصل کی تھی اور 2001 تک بین الاقوامی سطح تک اس حکومت کو قبولیت کی سند حاصل رہی) کا بنیادی سبب یہ تھا کہ متحارب قبائل سردار مال غنیمت کی تقسیم کا کوئی سیاسی اور متفق علیہ فارمولا طے نہ کر سکے۔ کیونکہ ان متعدد گروہوں کی جنگی صلاحیتوں کا ٹیسٹ میدان جنگ میں نہ ہو سکا تھا اور نہ ہی اس وقت کوئی ایسا غیر جانبدار اور قابل اعتماد مصالحت کار موجود تھا (اقوام متحدہ کی تب محدود سی ڈپلومیٹک موجودگی تھی اور مسلح طاقت بھی اس کے پاس نہیں تھی) جو ان گروہوں کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے کسی فارمولے پر انہیں جمع کر سکتا، نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں نکلا جو 1992 میں شروع ہوئی جس میں مختلف دھڑوں کے لیے اپنی اپنی طاقت کا اظہار ناگزیر تھا۔ متعدد فوجی و سیاسی عناصر کی موجودگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوئی فریق میدان جنگ میں فوجی برتری کو ثابت نہ کر سکا، مخالف اتحاد تشکیل پا گئے تا کہ کسی متفقہ سیاسی سمجھوتے کی عدم موجودگی کی صورت میں فتح کا امکان رہے۔[78]

MashalBooks.org

سیاسی نظام کی ناکامی

90 کی دہائی میں جو موبلائزیشن ہوئی وہ 80 کی دہائی سے مختلف تھی...... کمیونٹی موبلائزیشن جو 80 کی دہائی میں شروع ہوئی تھی اس نے معاشی موبلائزیشن کی شکل میں اپنا اظہار کیا۔(79) طبقہ علما اور قبائل کے بڑوں کا اپنی کمیونٹی پر کنٹرول کمزور پڑ گیا اور جنگ میں بھی ان کی دلچسپی کم ہوتی گئی۔ خاص طور پر علما نے سوویت انخلا کے بعد خود کو ڈی موبلائز کر لیا۔ متحارب فوجیں کرائے کے سپاہیوں سے بھرتی کی گئیں جو اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ ملوث فوجوں کی موثریت میں کمی آ گئی تھی۔ دوستم کے حوالے سے کی گئی تحقیق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ فوجیں 'ڈی ماڈرنائز' کر دی گئی تھیں۔(80)

اس دور میں مختلف سرگرم ملٹری آرگنائزیشنز کی محدود سماجی اور معاشی بنیاد واضح کر رہی تھی کہ مسلسل جنگ ناگزیر ہے، اگرچہ عملاً مختلف پارٹنرز کے درمیان گفت وشنید کا عمل بھی متعدد سطوح پر جاری تھا۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ جنگ اسی وقت اختتام پذیر ہوتی جب مختلف دھڑوں کے وسائل ختم ہو جاتے۔(81)

مغرب اور شمال میں دوستم اور اسمٰعیل خان کی پالیسیوں کا تفصیلی مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ 1992 کے بعد جو مختلف سیاسی نظام ابھرے ان میں سے ہر ایک میں اندرونی استحکام کا عمل جاری تھا، جسے غالباً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ نئی ریاست کی بنیادیں بن رہی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ 90 کی دہائی کی صورت حال نئے سیاسی توازن کی طرف ارتقا کے مراحل طے کر رہی تھی۔ اس وقت جو اہم مسئلہ حل طلب تھا وہ یہ تھا کہ مستقبل کے سیاسی سمجھوتے میں اس ملٹری کلاس کو کیسے جذب کیا جائے جو اپنی طاقت کو بے تحاشا بڑھا چکی تھی۔

اسمٰعیل خان اور دوستم دونوں کے پاس ان سوالات کے اپنے اپنے جوابات تھے، تاہم کوئی بھی سیاسی نظام ریاست کے استحکام کے بحران کے آگے نہ ٹک سکا۔ بیرونی خطرات کی موجودگی میں وہ کشمکش کو افورڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ 95-1992 میں اسمٰعیل خان کو

MashalBooks.org

کم بیرونی خطرات کا سامنا تھااور وہ اپنی مرکزی امارت کے قیام کے حوالے سے پیش قدمی کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ اس کے برعکس دوستم کو اپنے ہی کمانڈروں کی طرف سے معزول کیے جانے کا ہر وقت خطرہ تھا۔ دونوں ہی طرزہائے سیاست کی کمزورنظریاتی بنیادوں (خاص طور پر دوستم کے معاملے میں) نے غالب وار لارڈز کے کام کومشکل تر کردیا۔ توازن کسی نہ کسی شکل میں قائم ہونے جارہا تھا، چاہے وارلارڈز اسے بعجلت قائم کرپاتے یا نہ...... ان کی طرف سے ہونے والی تاخیر نے انہیں نئے خطرات کے سامنے لا کھڑا کیا، جو اُن گورنڈ پشتون بیلٹ میں ابھرنے ناگزیر تھے۔(82)

علاقائی سیاسی نظاموں کا ابھار

افغان ریاست کی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں جومختلف سیاسی نظم ابھرے ان کومنظم کرنے میں مشکلات کی وضاحت ان چھوٹے درجے کی خانہ جنگیوں سے ہوتی ہے جنہوں نے1979 کے بعد ہزارہ جات کو ہلا کر رکھ دیا۔(83) آخر وہ کیا وجوہات تھیں کہ خمینی ازم کے پیروشیعہ گروہ تک اندرونی سیاسی سمجھوتوں تک نہ پہنچ پائے؟ اس کے پیچھے نظریاتی اختلافات تھے کہ ہر گروہ ایران میں مختلف آیت اللہ کے ساتھ وفادار تھا...... تاہم شدید اختلافات کو اس طرح کی وجوہات کی بنیاد پر طے نہیں کیا جا سکتا۔

کیا کوئی ایسا ماڈل ہے جو کلی طور پر افغانستان میں لاگو کیا جاسکے؟ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو چند متحرک مراکز، جو اردگرد کے مضافات کو اپنی طرف کھینچ سکتے تھے، وہ ہی افغانستان کو متحد کرنے کی وجہ تھے۔ جیسا کہ Barnett Rubin اپنی دلیل میں کہتا ہے کہ ابھی اس بات کا ثبوت پیش نہیں ہو سکا ہے کہ آیا بیرونی مداخلت کے بغیر متحد افغانستان کا قیام ممکن ہے؟1990 کی دہائی کے افغانستان کا معمہ یہ تھا کہ مخالف قبائل، مخالف امیدواران حکومت کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس کی شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ ایران، اور اس سے کچھ کم حد تک روس اور تاجکستان ربانی حکومت کو سپورٹ کر رہے تھے جبکہ پاکستان حزب اسلامی کی حمایت کر رہا تھا اور ازبکستان اور ترکی دوستم کے حمایتی تھے۔ کوئی بھی بیرونی حمایت اتنی کافی ثابت نہ ہوئی کہ کسی فریق کومخالف پر کوئی برتری مل پاتی۔(84)

اسی دور میں تنازع کو نسلی رنگ دینے کا رجحان بھی ابھرنا شروع ہو گیا تھا۔ مختلف گروہوں

MashalBooks.org

نے نسل پرستی پر مبنی دلائل دے کر کمیونٹیز کو اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں کرنا شروع کر دیں جو بصورت دیگر ان کی حمایت نہ کرتیں۔ نسلی مخاصمت افغانستان کے حوالے سے ہمیشہ ایک متنازع مسئلہ رہا ہے۔ اور اس مسئلے سے اکثر سکالر کنی کترا کر گزر جاتے ہیں کیونکہ اس پر بحث کرنے کی صورت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی نہ کسی فریق کو تکلیف نہ پہنچے۔[85] 90 کی دہائی میں نسل پرستی پر مبنی نکتہ ہائے نظر نے زور پکڑنا شروع کیا اور بہت بڑی سطح پر اثر انداز بھی ہوا اور جلد ہی نہ صرف مفکرین کا ایک طبقہ ان دلائل سے متاثر ہوا بلکہ یہ نسلی منافرت پر مبنی دلائل مختلف گروہوں کو خانہ جنگی میں ملوث کرنے کے لیے استعمال کیے جانے لگے۔ جمعیت اسلامی، جنبش ملی (دوستم کی پارٹی)، حزب اسلامی، حزب وحدت (ہزارہ پارٹی جو خمینی ازم کی طرف جھکاؤ رکھتی تھی) اور طالبان نے دیگر دلائل کے ساتھ نسلی احساسات اور محرومیوں کو کمیونٹیز کو اپنے حق میں موبلائز کرنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ ان تمام گروہوں میں ہر نسل کے لوگ شامل تھے تاہم ان کے مرکز میں غالب نسل ایک ہی تھی۔ بعض کیسز میں یہ نسلی دلائل مختلف گروہوں کے لیے کامیابی کا سبب بھی بنے۔ پشتون، تاجک، ہزارہ اور ازبک تمام ہی اس عمل سے مختلف درجوں میں متاثر ہوئے۔[86]

ٹائم لائن

8اپریل1978	ثور انقلاب
14 ستمبر1979	ترکئی کو امین نے قتل کر دیا
27دسمبر1979	روسی جارحیت
15فروری1989	روسی فوجوں کا افغانستان سے مکمل انخلا
30اپریل1992	نجیب اللہ کی روس نواز حکومت کا خاتم اور مسلح اپوزیشن کا کابل پر قبضہ
27 ستمبر1996	طالبان کا کابل پر قبضہ
7اکتوبر2001	طالبان حکومت پر امریکی حملوں کا آغاز
جون2002	طالبان دوبارہ منظم ہونا شروع ہوئے اور مزاحمت کی تحریک کا آغاز کیا

1992-94 کے دور کی افغان تشریحات

1992-94 کے دور کی افغان تشریحات پاکستان کی دخل اندازی کو مختلف گروہوں کے کسی سیاسی سمجھوتے پر متحد نہ ہونے کے پیچھے بنیادی وجہ مانتی ہیں، اگرچہ اس حوالے سے ایران اور سعودی عرب کے کردار پر بھی تنقید کی جاتی ہے جنہوں نے افغانستان کی قومی یکجہتی کو مجروح کیا اور اپنے ذاتی مفادات کے لیے جہاد کا نام بدنام کیا۔ (87) اولا پاکستان آرمی نے عبوری انتظامی حکومت کے قیام کے حوالے سے پاکستان میں ہونے والے اجلاس میں ظاہر شاہ گروپ کو شمولیت سے روکا، اس کے بعد پاکستان حکومت نے کابل حکومت کو اختیار کی منتقلی سے قبل ہی اس کی جڑیں کاٹنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ (88)

فاتح مجاہدین 1992 میں قومی حکومت قائم کرنے میں ناکام رہے جس کی وجہ یہ بنی کہ وہ اپنے کارکنوں کی پروفیشنل تربیت نہ کر سکے۔ دوسری طرف روسی انخلا کے بعد امریکی حکومت بھی اس خیال سے خوفزدہ ہوگئی کہ افغانستان میں کہیں اسلام پسند تخت حکومت پر قابض نہ ہو جائیں اس لیے انہوں نے مختلف گروہوں کے درمیان مخالفت کے بیج بو دیے۔ (89) اس کے بعد حزب اسلامی کے لیے پاکستان کی طرف سے سپورٹ 1990 کی دہائی میں خانہ جنگی کا سبب بنی۔ (90)

حتی کہ وہ مبصر جو پاکستانی نکتہ نظر سے ہمدردی رکھتے تھے انہوں نے بھی 1988 میں ضیا حکومت کے خاتمے کے بعد پاکستان کے پالیسی کو منفی قرار دیا۔ پاکستان کے فوجی حکام اور سیاستدان شروع میں جہاد کو اس نظر سے دیکھتے رہے کہ افغانستان ان کے لیے دفاعی حصار ثابت ہو گا اور معاشی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ تاہم جب پاکستان معاشی فوائد حاصل

MashalBooks.org

کرنے میں کامیاب ہوگیا تو اس نے روسی انخلا کے بعد یہ پروگرام بنایا کہ وہ افغانستان کو بطور پاکستان کا ایک صوبہ اپنے ساتھ منسلک کر سکے۔ افغانستان پر کنٹرول کی صورت میں پاکستان کو سنٹرل ایشیا کا براہِ راست قرب بھی مل جاتا اور بھارت اور کشمیر میں جاری تحریک کو بھی سپورٹ مل جاتی۔ بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان نے افغان نمائندہ کے طور پر کابل اور ماسکو سے ڈیلیں کرنی شروع کر دیں۔ (91)

کچھ مصنفین نے خانہ جنگی اور طالبان جنگوں کے پہلے مرحلے (1992_94) سے وسیع تناظر میں نتائج نکالے۔ حافظ منصور اپنی دلیل میں کہتے ہیں کہ سیاسی اسلام قوم سازی اور عالمی دنیا کے جدید تقاضوں کے مطابق ارتقا کی راہ میں حائل ہے اور ایسے تعلقات پر زور دیتا ہے جو عالمی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ (92)

4.2 طالبان کا ابھار اور استحکام 1994_2001

طالبان کا عروج

طالبان کے آغاز کے حوالے سے کچھ تنازعات موجود ہیں۔ کچھ مصنفین کا خیال ہے کہ طالبان پاکستان کے خفیہ اداروں کی تشکیل تھے تاہم حزب اسلامی کو 1992-94 میں آگے لانے کے حوالے سے پاکستان کی کوششیں جس طرح ناکام ہوئیں وہ ظاہر کرتی ہیں کہ صرف پاکستان کی کوششوں سے طالبان غالب افغان گروہ کی شکل میں وجود پذیر نہیں ہو سکتے تھے۔ (93) دوسری طرف خود طالبان کے سورسز یہ دعوی کرتے ہیں کہ طالبان کچھ علما کی کوششوں سے وجود میں آئے جو 1994 میں افغانستان میں موجود ابتری اور خانہ جنگی کا ردعمل میں سرگرم ہوئے۔ (94)

Dorronsoro جو واحد مغربی سکالر ہیں جنہوں نے 90 کی دہائی میں افغان علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا، وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ پاکستان نے جمعیت العلما کی مدد سے طالبان کو سیاسی وفوجی طاقت بنانے میں اہم کردار ادا کیا تاہم طالبان کی کامیابی میں غالب کردار مقامی افغان سماج کی ساخت نے ادا کیا۔ پاکستان کے خفیہ اداروں نے صرف یہ کیا کہ انہوں نے اس تحریک کو اپنے حق میں استعمال کیا اور فتح کے قریب لے گئی جس کی جڑیں مقامی سماج میں پیوست تھیں۔ (95)

MashalBooks.org

چاہے طالبان کا آغاز جیسے بھی ہوا، یہ امر واضح ہے کہ طالبان کو افغانستان میں بہت مقبولیت ملی، خاص طور پر اس وقت جب وہ کابل کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ بلاشبہ اس مقبولیت میں اہم کردار ادا کرنے والے عوامل متعدد تھے۔ طالبان کے نظریات بنیاد پرستوں کے تصورات کے قریب تر تھے، جو طبقہ علما میں خاصے محکم تھے، وہ طبقہ جو1992 کے بعد کھڈے لائن لگا دیا گیا تھا۔ (96)

طالبان طاقت میں: 1996_2001

طالبان اپوزیشن کو مکمل طور پر کچلنے میں ناکام رہے تھے، کیونکہ حکومت میں آنے کے بعد بھی شمال مشرق میں اور جنوبی افغانستان کو چھوڑ کر دیگر علاقوں میں کہیں کہیں ان کے خلاف مزاحمت موجود تھی۔ یہ مزاحمت زیادہ تر ان مخالف گروہوں کی طرف سے ہوئی جنھوں نے طالبان کی طاقت کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اس مزاحمت کا ایک پہلو نسل پرستی بھی تھی جسکی شدت کے حوالے سے متضاد آرا ابھی تک موجود ہیں۔ یہ تو واضح ہے کہ کچھ کمیونٹیز کی طرف سے طالبان کی مخالفت جاری تھی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا طالبان کو آبادی کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی؟ شواہد بتاتے ہیں کہ طالبان کے خلاف مزاحمت آپریشن اینڈ یورنگ فریڈیم (2001) تک افغان اکثریت کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ (97)

حالیہ مزاحمت کے دوران طالبان میں اقلیتی نسلی گروہوں کی جانب سے جس طرح لوگ بھرتی ہوئے ہیں، اس سے یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آیا یہ اقلیتی گروہ واقعی طالبان مخالف تھے۔ خاص طور پر اس امر کی موجودگی میں کہ طالبان ہمیشہ یہ دعوی کرتے رہے ہیں کہ انہیں تاجک اور ازبک علما کے طبقے کی حمایت حاصل ہے۔ (98) بہر حال یہ اندازہ لگانا کہ ایک پوری کمیونٹی کے تمام عناصر کیا رجحانات رکھتے ہیں، مشکل امر ہے اور ہماری بحث سے بھی خارج ہے۔ یہ بھی ابھی اب واضح ہے کہ مسعود کو شمال مشرقی آبادی کو طالبان کے خلاف موبلائز کرنے میں بہت مشکلات جھیلنا پڑی تھیں۔ اور یہ ثبوت بھی موجود ہیں کہ بدخشاں میں طالبان کی حمایت کے لیے کوششیں ہوئیں۔ حقیقت کے قریب اور قرین قیاس امر یہ ہے کہ شمال کی مذہبی اشرافیہ کی ایک بڑی تعداد طالبان کی حمایتی تھی باوجود اس کے کہ ان کا نسلی

MashalBooks.org

پس منظر کچھ بھی تھا۔ (99)

اس عرصے میں طالبان بطور ایک فوجی اور سیاسی طاقت کیسے کامیابی حاصل کر سکے؟ زیادہ تر تجزیے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے القاعدہ اور پاکستانیوں کی حمایت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس حوالے سے قابل بھروسہ شواہد کا حصول مشکل ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان آرمی کا طالبان کی حمایت مشاورت اور معاونت کے حوالے سے کردار کے بارے میں ٹھوس ثبوت ابھی تک دستیاب نہیں ہیں۔ اگرچہ فاٹا اور صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے کئی پاکستانی افراد افغانستان کے میدان جنگ میں گرفتار ہوئے۔ (100)

اسی طرح اگر القاعدہ کے جنگجوؤں کے حوالے سے بات کریں تو لازماً کچھ القاعدہ ممبران طالبان کی طرف سے جنگی کارروائیوں میں شریک رہے مگر پوری وار اکانومی کے حوالے سے تجزیہ کریں تو ان فائٹرز کی تعداد محدود تھی۔ یہی حقیقت ان 14 جہادی گروپوں پر بھی صادق آتی ہے جنھوں نے اس دور میں افغانستان میں اپنے مراکز قائم کیے (ان گروہوں کی زیادہ تر تعداد کا تعلق پاکستان، عرب ملکوں اور وسطی ایشیائی ملکوں سے تھا) یہ گروپ بھی افغان اندرونی جھگڑوں میں ملوث نہیں ہوئے۔ (101)

غالباً پاکستان اور جہادی گروہوں کی مدد طالبان کی ملٹری مشینری میں بہتری اور جدت لانے کا سبب اس وقت بنی جب 1996 میں طالبان کا کابل پر قبضہ ہو گیا تھا۔ اس جدت اور بہتری کا خیال طالبان کو اس وقت آیا جب ان کا سامنا زیادہ مربوط اور جنگی ساز و سامان کے حوالے سے زیادہ جدید مخالفوں سے ہوا اور طالبان محسوس کرنے لگے کہ انہیں زیادہ مربوط فوج کی ضرورت ہے، چاہے یہ زیادہ مربوط فوج مغربیوں کے نزدیک جتنی بھی قدامت پرست رہی ہو۔ (102)

بلا شبہ طالبان کو بیرونی امداد ملی، خاص طور پر 4×4 پک اپس کی شکل میں، تاہم وہ مالی معاونت سے فائدہ اٹھانے والے محسوس نہیں ہوتے۔ القاعدہ نے کچھ ملین ڈالر، جبکہ پاکستان نے اس سے کچھ زیادہ ملین طالبان کو دیے مگر یہ مالی امداد بہر حال محدود تھی۔ (103) تمام تر شواہد جمع کیے جائیں تو یہ کہنا غلط ہو گا کہ طالبان کو دولت میں تول دیا گیا تھا۔

طالبان پھیلاؤ کی حرکیات

MashalBooks.org

آپریشن انڈیورنگ فریڈم کے آغاز کے وقت تک، طالبان کو اپوزیشن کا سامنا تھا تاہم زیادہ تر مبصرین یہی کہہ رہے تھے کہ بالآخر وہ غالب رہیں گے۔ دوسری طرف طالبان کے اپنے بھی بہت سے مسائل تھے خاص طور پر پوست کی کاشت پر پابندی کے بعد، جس کی وجہ سے ان کی آمدنی محدود ہو گئی تھی ......ان کے اس اقدام کی بدولت جنوب میں ان کی ہردلعزیزی میں خاصی کمی ہوئی۔ ایسا لگتا ہے کہ طالبان حکومت اپنی فوجی مہم جوئی کے اس آخری مرحلے کی تسلی بخش انداز سے تکمیل نہیں کر سکی تھی۔ (104) خیر! ان کی صورت حال جو بھی تھی، یہ کارنامہ کہ وہ 90 فیصد افغانستان کو براہِ راست یا بالواسطہ اپنے زیرنگیں لانے میں کامیاب رہے، ایک کرشماتی کام تھا، جس کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ (105)

نئے قبضہ کیے گئے علاقوں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے طالبان نے کئی ایسے لشکروں کو اپنے ساتھ ملایا جو ماضی میں ان کے دشمن تھے۔ شمال اور ہزارہ جات میں تو اس مشق کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ ہر جگہ انہوں نے چنیدہ افراد کو جو عام لشکری تھے اور بسااوقات وہ کمانڈر بھی جو ملا نہ تھے، انہیں خود میں جذب کیا، خاص طور پر اس وقت جب انہیں باقاعدہ اور فعال فوج کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ کچھ پیشہ ور سپیشلسٹس کو جن کی روسی افواج سے ہمدردیاں تھیں، ان کو بھی طالبان نے اپنی صفوں میں جگہ دی۔ یہ اور بات ہے کہ بعدازاں وہ ان کی نظریاتی تطہیر کرنے میں کامیاب رہے۔

طالبان کی مرکزی کنٹرولڈ آرمی اور دیگر لشکروں میں بنیادی فرق یہ تھا کہ موخر الذکر اپنے لیڈروں کو مین ٹین رکھے رہے۔ ان لشکروں کو جزوی طور پر غیر مسلح کر کے پولیس فورس میں بدل دیا گیا۔ یوں وہ بالواسطہ آبادیوں کا سامنا کیے بغیر ان پر کنٹرول حاصل کرتے گئے۔ جہاں طالبان کے خلاف مزاحمت فعال تھی وہاں انہوں نے اپنی فوج تعینات کی۔ یہی وہ علاقے تھے جہاں جانی نقصانات کا خدشہ تھا۔ باقی علاقوں میں طالبان مشکل سے ہی نظر آتے تھے۔ (106)

اگرچہ اپنے پیش روؤں کی نسبت طالبان افغانستان میں امن لانے میں زیادہ کامیاب رہے، تاہم اس دور کی مقامی حرکیات کے حوالے سے ہماری معلومات محدود ہیں۔ کچھ مصنفین کہتے ہیں کہ طالبان پوست کی کاشت پر پابندی لگانے کے نتیجے میں2001_10 میں خود پشتون علاقوں میں بھی ہردلعزیزی کھونے لگے تھے۔ (107) ہوسکتا ہے کہ ایسا ہوا ہو تاہم اس حوالے

سے بھی ثبوت مہیا نہیں ہیں۔

1994_2001 کے دور کی افغان تشریحات

افغانستان کی حالیہ تاریخ پر طالبان کے اثرات کو سامنے رکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ لٹریچر میں اس موضوع پر کیوں اتنی کم بحث کی گئی ہے۔ غالب اکثریت طالبان کے تین اوصاف ظاہر کرتی ہے:

(1)۔ قدامت پرست اسلامی تحریکوں سے نظریاتی تعلق۔

(2)۔ پشتون غلبہ۔

(3)۔ اور غیر ملکیوں پر مکمل انحصار، جنھیں پاکستان آئی ایس آئی نے ٹرین اور بھرتی کیا تھا۔[108]

طالبان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کے حوالے سے افغان تشریحات کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ افغان جنگ نے پاکستان کو لاتعداد مواقع مہیا کیے۔ پشتونستان تحریک سے انہیں ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی بلکہ افغانستان کو اپنا ایک صوبہ بنانے کے حوالے سے راستے ہموار ہو گئے جس سے پاکستان جنوبی ایشیا کے نقشے میں تبدیلی لا سکنے کے قابل ہو گیا۔ اور طالبان پاکستان کی اس پالیسی کے آلہ کار تھے۔[109] وہ مصنفین جو افغانستان کے پاکستان کے الحاق کے مفروضے کو تسلیم نہیں کرتے ان کا بھی کہنا یہ ہے کہ کابل میں طالبان کی حکومت سب سے پہلے ڈیورنڈ لائن کے مسئلے کو طے کرتی اور پھر سنٹرل ایشیائی ممالک کے حوالے سے پاکستانی مفادات کو محفوظ کرتی۔ تاہم نسلی مرکزیت کی تنگ نظری جو طالبان میں موجود تھی، پاکستان کی نگرانی میں پرامن افغانستان کی حتمی منزل کی راہ کا روڑہ بن گیا۔[110]

افغان مصنفین کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ ایک عامل جس نے افغان خانہ جنگی کو طویل کیا وہ تھا طالبان کا عروج جو ایران، ازبکوں اور بھارتیوں کو بھی جنگ میں گھسیٹ لایا۔ اس امر نے جنگ کے شعلوں کو اور بھی ہوا دی کہ یہ ملک مختلف گروہوں کے حمایتی بن گئے۔ پاکستان کا کردار اس حوالے سے خاص طور پر منفی تھا۔[111]

نئی حکومت عوام کو خدمات فراہم میں ناکام رہنے کی وجہ سے جواز کھو رہی تھی۔ دوسری طرف مختلف گروہوں کا مابین موجود نظریاتی اختلاف تھے جو قومی حکومت کی تشکیل کی راہ میں

رکاوٹ بنے۔ (112)

طالبان حلقوں میں کرپشن نہ ہونے کی وجہ سے بھی انہیں مخالف ملٹری گروہوں پر سبقت حاصل رہی، کیونکہ اس طرح ان کی سپلائیز بر وقت پہنچ جاتیں۔ تاہم اس حوالے سے پاکستان کی فیصلہ کن معاونت کا کردار بھی اہم رہا جبکہ ایران اور دیگر ملک جو طالبان مخالف گروہوں کی سرپرستی کر رہے تھے ان کا عزم اور جوش پاکستان کے مقابلے میں خاصا کم تھا۔ (113)

علاقائی عوامل کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی طالبان کے عروج کے مظہر کو سمجھنے کی کوششیں محدود رہی ہیں۔ ان عناصر میں 90 کی دہائی میں افغانستان میں موجود ابتری اور افراتفری کے علاوہ پاکستان اور افغانستان میں مدرسوں کی ریڈیکلائزیشن شامل ہیں۔ (114)

4.3۔تنازع کے معاشی عوامل 1992_2001

92_1978 تک جو رجحانات موجود تھے (جن کا ذکر سیکشن 2.5 میں کیا گیا ہے) 1992 کے بعد وہ اور بھی مضبوط ہوئے۔ پوست کی کاشت میں مزید اضافہ ہوا اور پہلی ہیروئین ریفائنری قائم ہوئی۔ اگرچہ ملٹری اور سیاسی لیڈرشپ اس میں ملوث نہ تھی، تاہم انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لے ان گروہوں کو استعمال ضرور کیا جو پوست کی کاشت میں ملوث تھے۔

مقامی جنگجو اور کمانڈر جو مقامی وار اکانومی کی وسعت کے مرکزی کردار تھے انہوں نے اپنے اثرورسوخ کو بڑھتا ہوا محسوس کیا۔ ان کے لیے جنگ کا تسلسل امن سے زیادہ منافع بخش تھا اور یہ جذبہ ان کے سیاسی عزائم پر حاوی رہا۔ ہلمند کے اخونزادہ قبائل اور کچھ دیگر گروہوں کی مثال اس حوالے سے دی جاسکتی ہے جہاں منافع بخش ڈرگ ٹریڈ کے حوالے سے اپنے اثر ورسوخ کے معاملے میں یہ فیکٹر زیادہ نمایاں نظر نہیں آتا۔ ان تنظیموں کے کچھ عناصر اور افراد معاشی مفادات کے پیچھے ضرور تھے، جسکا نتیجہ یہ نکلا کے مفادات سیاسی عزائم پر حاوی ہو گئے۔ مزید ابتری تنظیمی ڈھانچے میں ٹوٹ پھوٹ نے پھیلا دی جو 90 کی دہائی میں نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آیا تھا۔ (115)

روسی انخلا کے بعد 1992 میں مجاہدین کے مختلف گروہ ایک دوسرے کے سامنے شمشیر نیام

MashalBooks.org

سے نکالے موجود تھے، اس عمل نے افغان ریاست کو ابتری کی آخری حدوں پر لا کھڑا کیا اور تشدد اور بدلے کی آندھیاں چلنے لگیں۔ مختلف گروہ بھی اس وقت ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھے مگر یہ عمل اتنا سست تھا کہ کوئی بھی گروہ اس عمل سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اس صورت حال میں 90 کی دہائی کے وسط میں طالبان ابھرے جنھوں نے اپنے کنٹرول میں نہ صرف تمام افغانستان کو دوبارہ متحد کیا بلکہ مختلف گروہوں کی اکثریت کے مفادات کے ضامن بھی بنے۔ طالبان ان کمیونٹیز کی حمایت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوئے جن کے مفادات افغان ریاست کی ٹوٹ پھوٹ اور دھڑے بندیوں کی وجہ سے مجروح ہو گئے تھے۔ (116)

جیسا کہ Rubin کہتا ہے:

''90 کی دہائی میں طالبان ہی وہ واحد گروہ تھا جس کی سیاسی ساکھ تھی اور جو سماجی اور معاشی رجحانات میں کیٹالسٹ کا کردار ادا کر سکتے تھے''

کئی سالوں کی جنگ کے بعد طالبان مخالف گروہ تھک چکے تھے، ان کی صفوں میں موجود کلیدی لوگ اس سارے عمل سے اچھی خاصی دولت بنا چکے تھے اور اب جنگ سے رخصت چاہتے تھے۔ عام آبادی جنگ سے بیزار ہو چکی تھی اور امن اور تعمیر نو کی متمنی تھی۔ پورے منظر نامے میں عالمی برادری غیر حاضر تھی، اس صورت میں طالبان ابھرے جو ملک کو امن کی طرف لے گئے۔ بہت سے وارلارڈز جنہوں نے افغان جنگ میں پیسہ بنایا تھا توقع کر رہے تھے کہ ان سے یہ دولت نہیں چھنی جائے گی۔ علاوہ ازیں طالبان نے بھی ان کو یقین دلایا کہ نئے نظم میں ان کا کردار ہو گا۔ (117)

5۔موجودہ تنازع کے اوصاف:10-2002

2001 کے بعد متعدد کئی ایسے عوامل افغان میں ابھر کر سامنے آئے جنھوں نے اگرچہ تنازعات کو تحریک تو نہیں دی تاہم تنازع کو صفر سے دوبارہ ابھرنے میں سہولت کار کا کردار نبھایا۔ ان عوامل کے تجزیے کے بعد جنھوں نے تنازعات کو استحکام بخشا، توجہ کمزور حکومتوں (اور بعض اوقات بری حکومتوں) اور بین الاقوامی مداخلت کی طرف جاتی ہے۔ ایک بار جب حکومت مخالف تحریک شروع ہوتی ہے تو کئی عوامل تنازع کو شدید تر کرتے جاتے ہیں۔ افغانستان کے حوالے سے ان عوامل میں غربت، سماجی گروہوں کے آپسی جھگڑے، نسلی تقسیم اور جنگ کی سیاسی معیشت شامل ہیں۔

5.1۔کمزور حکومتیں

کمزور یا بری حکومتوں کو عموماً افغانستان میں عدم استحکام کی کلیدی وجہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ جیسا کہ پہلے بھی کہیں ذکر آیا ہے کہ امیر عبدالرحمٰن نے جو نظام تشکیل دیا تھا اس کا انحصار اس حقیقت پر تھا کہ اس نے ہر ذمہ داری کے لیے موزوں شخص کو منتخب کیا تھا۔[118] قبل از جنگ جو انتظام ملک میں موجود تھا اس میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی کہ اس میں مقامی جھگڑے آسانی سے نمٹا لیے جاتے تھے اور یہ نظام تب ٹھیک کام بھی کر رہا تھا۔ اس نظام کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے جو1970 سے پہلے افغانستان میں موجود تھا مربوط کوششوں کی ضرورت ہوگی جس کے ہونے کی کوئی توقع فی الوقت نہیں ہے۔ نہ ہی ایسی کوئی تجویز اس وقت زیر غور ہے جس کے تحت کسی متبادل نظام پر کام ہو رہا ہو۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ افغان

حکومت ایسا کوئی منظّم نظام تشکیل نہیں دے پائی جس کے تحت قبائلی اور دیہی افغان علاقوں سے معاملہ کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ افغان حکومت نہ تو عام لوگوں تک سروسز پہنچا پائی اور نہ ہی مقامی تنازعات کو حل کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ 2001 کے بعد جو حکومت بنی وہ عام لوگ کی زندگی میں کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کر سکی۔ (119)

خدمات کی فراہمی: تعلیم، صحت اور پولیس کا نظام

2001 بعد نظام تعلیم کو بحال کیا گیا۔ 2005 تک سکولوں میں بچوں کے داخلے کی شرح میں بھی اچھا خاصا اضافہ ہوا۔ تاہم ان تیز رفتار داخلوں کے باوجود مجموعی طور پر اثرات اس لیے محدود رہے کہ تعلیم کا معیار بہت پست رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سیکولر تعلیم کے حوالے سے عوام کا ابتدائی جوش و خروش جلد ہی ٹھنڈا پڑا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ پرائمری اور سیکنڈری سطح کے سکولوں کے لیے جو نصاب تشکیل دیا گیا اس کے حوالے سے روایتی لوگوں میں تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے اور 2002 میں ہی اس مسئلے پر نزاعی صورت حال پیدا ہو گئی۔ بعدازاں طالبان اور دیگر مسلح گروہوں نے عام لوگوں میں موجود اس احساس کو استعمال کیا اور سکولوں اور اساتذہ کے خلاف ایک مہم چلا دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیمی اصلاحات ملک بھر میں عام طور اور جنوبی علاقوں میں خاص طور پر رول بیک کر نی پڑیں۔ (120)

تعلیم کی طرح شعبہ صحت کے حوالے سے ہونے والی اصلاحات کے اثرات بھی دیہی علاقوں میں بہت محدود رہے۔ خاص طور پر بڑے شہروں سے دور علاقوں میں اس کے اثرات بہت کم رہے۔ (121) جس کی وجہ یہ تھی کہ پیشہ ور عملہ شہروں سے دور علاقوں میں ملازمت کے لیے جانے کے حوالے سے متامل تھا۔ 2001 کے بعد جو دیہی کلینک بنے ان کا قریب تر آبادیوں پر بہت اثر ہوا۔ ٹیبل نمبر (1) میں دکھایا گیا ہے کہ زیادہ تر دیہات ہیلتھ کیئر سنٹرز سے دور تھے۔ ٹیبل (2) میں شرح حیات کے تخمینے دیے گئے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ (دیہی اور شہری علاقوں میں) 2000 کے بعد زیادہ بہتری نہیں آئی۔ اگرچہ اس حوالے سے موجود ڈیٹا مستند اس لیے نہیں کہ ڈاکٹروں کی اکثریت شہروں اور قصبوں میں موجود تھی اور اثرات بھی دیہی علاقوں کی بہ نسبت شہری علاقوں میں کہیں زیادہ مرتب ہوئے۔

ٹیبل نمبر (1): ہیلتھ کیئر سنٹرز سے قریب

قریب ترین ہیلتھ کیئر سنٹرز سے فاصلہ(2003_05)	دیہاتوں کا ٪
گاؤں میں	2.6
5 کلومیٹر سے کم	14.4
10_5 کلومیٹر کے درمیان	14.9
10 کلومیٹر سے زیادہ	65.1
دیگر	3

ماخذ: ''نیشنل رسک اینڈ ولنرا ایبلٹی تخمینہ2005'' (کابل: سنٹرل شماریاتی تنظیم2005)

ٹیبل نمبر (2): شرح حیات بلحاظ پیدائش2010_2000

2000	41.8
2002	42.1
2003	42.3
2004	42.6
2005	42.9
2006	43.2
2007	43.6
2008	43.9
2009	44.6
2010	44.7

(ماخذ: ورلڈ بنک تخمینہ2010_2000)

2001 کے بعد پولیسنگ کی حالت بھی غیر تسلی بخش رہی۔ اگرچہ2005 کے بعد پولیسنگ کے

MashalBooks.org

حوالے سے کچھ بہتری کے آثار نوٹ کیے گئے تاہم ایک بار پھر یہ بہتری بھی شہری علاقوں تک محدود نظر آتی ہے یا پھران صوبوں میں جو محفوظ تصور کیے جاتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں پولیس کا محکمہ پھر محدود رہا۔ کیونکہ پولیس کے جوان دیہاتی علاقوں میں جانے سے کتراتے رہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ اگر یہ پولیس تھانے مرکزی سڑکوں سے دور تھے۔ پولیس کی طرف سے جو گرفتاریاں ہوئیں اس کا بھی حکومت کی کریڈیبلٹی پر برا اثر پڑا اور اکثر کمیونٹیز اس حوالے سے بغاوت پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس کی وجہ وزارت داخلہ کی نگرانی کی کمزور صلاحیت رہی۔ (122)

طاقتور لوگ اور بری حکومت

2001 کے آخری دنوں میں ہونے والے Operation Enduring freedom کے بعد جو نیا افغانستان ابھرا تو نیا حکومتی اتحاد ان عناصر پر مبنی تھا جو 1973 کے بعد کسی نہ کسی طرح حکمران طبقے میں شامل رہے تھے۔ یہ تمام طالبان مخالف گروہ تھے اور ان میں موجود زیادہ تر طاقتور اشخاص وہ تھے جن کا تعلق جنوب سے تھا۔ 2002 سے 2009 تک طاقتور آدمیوں کا یہ گروہ زیادہ تر انہی لوگوں پر مشتمل تھا جن کی سرگرمیوں کا مرکز افغانستان کا جنوب تھا۔ اور یہ لوگ زیادہ تر وہ تھے جو کرزائی کے آبائی قبیلے کے نیٹ ورک سے متعلق تھے یا سی آئی اے کے نیٹ ورک کا حصہ تھے۔ طالبان حکومت کے خاتمے کے لیے انہی دو نیٹ ورکس کو موبلائز کیا گیا تھا۔ جنوب کی صورت حال یہ تھی کہ طاقتور افراد کا گروہ دو حصوں میں میں منقسم تھا ایک وہ جو کرزائی قبیلے کے حمایتی تھے اور دوسرے اس کے مخالف گروہوں کے سرکردہ لیڈر۔ دونوں متحارب گروہوں کا مطمحِ نظر ایک ہی تھا کہ مخالف کی طاقت کو کم کیا جائے اور نئے حکومتی ڈھانچے میں زیادہ سے زیادہ موثریت حاصل کی جائے۔ ابھی یہ نیا حکومتی اتحاد نازک حالت میں ہی تھا اور بغاوت پوری طرح کچلی نہیں گئی تھی کہ ان کی آپسی مخالفت بغاوت کو کچلنے کی ان کی صلاحیت پر منفی طور پر انداز ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ان دونوں کی ترجیح اس دور میں کمزور ہوتی مزاحمت کو کچلنے کی بجائے ایک دوسرے کی جڑیں کھودنے پر مرکوز رہی۔ (123)
اگرچہ ان متحارب گروہوں کو نیشنل پولیس اور بارڈر پولیس کے عنوان سے ایک ہی دھاگے میں پرونے کی کوشش کی گئی تاہم ان طاقتور اشخاص کی ذاتی لشکروں کے مزاحمتی تحریک کے

نمائندہ گروہوں کے ساتھ سکیورٹی کا جو انتظام تخلیق کیا گیا وہ انہی طاقتور کمانڈروں کے ذاتی لشکروں پر مشتمل تھا جو کرزائی کی جانب سے مال غنیمت میں حصے متعین کرنے کے اصول پر بنا۔ یہی اصول ان فورسز پر بھی لاگو رہا جو وزارت دفاع کے ماتحت بنے جو نیشنل آرمی کی تخلیق تک انہی لشکروں پر مشتمل تھیں جو نجی عملداری میں تھے اور جن پر وزارت دفاع سے زیادہ ان کے اپنے کمانڈروں کا کنٹرول تھا۔ طاقتور کمانڈروں اور لشکروں کے امتزاج سے تشکیل پانے والے اس سکیورٹی اتحاد کا ایک منفی نتیجہ یہ نکلا کہ ان فوجوں میں ڈسپلن کی کمی رہی، پیشہ ورانہ حوالوں سے کمزور تھے، کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم نحیف تھا، کرپشن عام تھی اور عام لوگوں کی طرف ان کا رویہ بے حسی پر مبنی تھا۔ علاوہ ازیں ان کی طرف سے تنخواہیں بھی کم دی جاتی تھیں اور ادائیگیاں بھی تاخیر سے ہوتی تھیں۔ (124)

کیا ان نجی لشکروں کے کمبی نیشن سے بنے اس سکیورٹی انتظام کا کوئی متبادل تھا؟ اس حقیقت سے تو سب آشنا ہیں کہ 2001 میں طالبان کی تباہی کے بعد افغانستان میں کوئی باقاعدہ فوج اور پولیس نہیں تھی۔ تاہم یہ تو کیا جا سکتا تھا کہ 1980 سے قبل کام کرنے والے آرمی افسروں کو جمع کیا جاتا اور ان کو محور بنا کر نئی آرمی تشکیل دی جاتی اور نئے سرے سے بھرتیاں کی جاتیں۔ ان سابق فوجی افسروں کی ایک بڑی تعداد کی خدمات بھی وزارت دفاع کو حاصل تھیں۔ یہ اور بات کہ ان کو باقاعدہ انداز میں تعینات نہ کیا جا سکا۔ ان سابق فوجی اہلکاروں کو تزویراتی، انتظامی اور خصوصی ٹاسک تو دیے گئے مگر انہیں لڑاکا فوج میں شامل نہ کیا گیا، سوائے آرمی اور آرٹلری کے...... اس وقت ذہانت اور فہم کو موقع دیا جاتا مگر ہوا یہ کہ ہزاروں مستند فوجی اہلکاروں میں سے کچھ کی خدمات لی گئیں۔ ان لشکروں کا مرکزی فعال حصہ بھی موثر انداز میں فعال کیا جا سکتا تھا۔ اس کی بجائے کیا یہ گیا کہ سیاسی عزائم پر مبنی فیصلہ لیا گیا اور عارضی مسلح فورسز میں گنے چنے سابق ریگولر آرمی آفیسرز کو انسٹال کر دیا گیا۔ (125) نتیجہ یہ نکلا کہ طالبان مزاحمت کے ابتدائی سالوں میں بمشکل کوئی سکیورٹی فورس موجود تھی جو مربوط انداز میں اپنے اہداف حاصل کر پاتی۔ (126)

2006 کے بعد جو نئی نیشنل آرمی بنی انہوں نے قدرے اہم کردار ادا کیا اور جنوب میں تحریک مزاحمت کے خلاف اچھی کارکردگی دکھائی۔ ٹھیک اسی وقت یہ بھی کیا گیا کہ نجی لشکروں کو غیر مسلح، ڈی موبلائز کیا گیا اور بڑے بڑے نجی لشکر ختم کر دیے گئے۔ اگرچہ کچھ طاقتور

کمانڈروں نے انڈر گراؤنڈ محدود لشکر سنبھالے رکھے۔ پولیس فورس کی تشکیل کے دوران اگرچہ کچھ پیشہ ورانہ عناصر کو شامل کیا گیا مگر مجموعی طور پر اس کے ہیئت میں کچھ زیادہ تبدیلی نہ آئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا پروفیشنل پولیس افسر جنوبی علاقوں میں تعیناتی کے حوالے سے شدید متذبذب تھے جسکی ایک وجہ تو جانی رسک تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ جنوب کی پولیس فورس اور مقامی صوبائی انتظامی پولیس تعداد میں کہیں زیادہ تھی۔ جن کا تعلق کابل کی حکمران اشرافیہ سے بہت گہرا تھا اور یہ ایک ایسا امر تھا جو پولیس کی موثریت مجروح کرنے کا سبب بنا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پیشہ ور عناصر کا پولیس فورس کا حصہ ہونے کے باوجود حکومت کی ملٹری کوششوں میں مقامی لشکروں کا پلڑا بھاری رہا۔ جیسا کہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ آرمی کا کردار بڑھنے کے باوجود جانی نقصان کے حوالے سے پولیس کے جوانوں کی تعداد کہیں زیادہ رہی۔ [127]

یہ حقیقت واضح ہے کہ جوں جوں جنگ افغانستان کے طول وعرض میں پھیلتی گئی کمانڈروں کے نجی لشکروں کا کردار بڑھتا گیا حالانکہ اس وقت پولیس اور فوج کے عملے کو بھی تیزی سے بڑھایا جا رہا تھا۔ جنوبی افغانستان کے علاوہ باقی علاقوں میں پولیس کی نفری مکس تھی۔ ان باقی علاقوں میں پیشہ ور پولیس اہلکاروں کی تعداد بھی زیادہ تھی اگرچہ ہر صوبے میں یہ تناسب مختلف رہا۔ خاص طور پر بڑے صوبے، جن میں مرکزی شہر تھے، وہ پروفیشنل پولیس والوں کے لیے پرکشش تھے۔ کمانڈروں کے نجی لشکروں نے مغرب، شمال مشرق، شمال اور مشرق کے صوبوں میں بھی اہم کردار ادا کیا اگرچہ تمام صوبوں میں یہ کردار یکساں نوعیت کا نہیں رہا اور سب سے بالا یہ کہ انڈر گراؤنڈ اور غیر فعال مقامی لشکر بھی طالبان کی پیش قدمی کا سامنا کرنے کے لیے10_2009 میں ابھر کر سامنے آگئے۔ ان لشکروں کی موبلائزیشن (اکثر وبیشتر مقامی پولیس کی رضامندی سے ہوئی اور ماضی کے کمانڈروں کے تحت ہی ان لشکریوں کو دیا گیا) کندوز میں ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوئی، جہاں ایساف، افغان پولیس اور افغان آرمی ابھی تک طالبان کی پھیلتی مزاحمت کو روکنے میں ناکام رہی تھی۔ [128]

نوسال کی جنگ کے بعد اب یہ واضح ہو کر سامنے آیا کہ کابل کی فوجی سرگرمیوں کا بڑا حصہ کمانڈروں کے ذاتی لشکروں کی سرگرمی پر مشتمل تھا۔ اس کے جو نتائج نکلے ان میں سے کچھ پر تو اوپر بحث ہو چکی ہے تاہم کچھ دیگر نتائج بھی اس سے برآمد ہوئے۔ بڑے پیمانے کی کسی

جنگی سرگرمی کے لیے ان قبائلی نوعیت کے لشکروں پر انحصار ایک غیر موثر پالیسی رہی۔ کمانڈر اپنی خدمات کا معاوضہ طلب کرتے رہے اور حکومت کے لیے اپنے فیصلوں کو نافذ کرانے کا عمل مشکل تر ہوتا گیا۔ شمال کی حالت تو یہ تھی کہ بعض ذرائع جن کی لشکروں کے کمانڈروں تک رسائی تھی، ان سے رپورٹیں موصول ہوئیں کہ یہ کمانڈر طالبان سے ڈیل کرنے کی کوشش کرتے رہے تاکہ ان کا حلقہ اثر اپنے اپنے علاقوں میں محفوظ رہے۔(129) اس لیے یہ ایک محکم دلیل ہے کہ ان لوگوں کی وجہ سے طالبان افغانستان بھر میں مضبوط ہوتے گئے۔ (130)

5.2۔غربت اور دور افتادگی

بلاشبہ افغانستان کی اکثریتی دیہی آبادی انتہائی غریب ہے۔2002 کے بعد پاکستان اور ایران سے پناہ گزینوں کی واپسی جو بڑی تعداد میں ہوئی اس نے غربت کے اس مسئلے کو اور بھی پیچیدہ کر دیا۔ یہ الگ بات کہ جو پناہ گزین ان ملکوں سے واپس آئے انہوں نے آباد کاری کے لیے شہری علاقوں کو منتخب کیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ آمدنی کے لحاظ سے افغانستان کے مختلف صوبوں پر جو ریسرچز کی گئیں ان کے مطابق غربت اور طالبان کے حلقہ اثر میں کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ نیچے دی گئی فگر میں ڈاٹس طالبان کے حلقہ اثر کے نمائندے ہیں اور کالم سماجی اور معاشی صورتِ حال کے عکاس ہیں۔

فگر نمبر (1) کتاب سے سکین کرنی ہے صفحہ نمبر (31)

(131)

ذیل میں مزاحمت کاروں کی ریکروٹمنٹ پر غربت کے آثار کے حوالے سے بحث کی گئی ہے تاہم سوال یہ ہے کہ آیا غربت افغان تنازعات کی تخلیق کے حوالے سے کوئی ساختیاتی عامل ہے یا نہیں۔ بلاشبہ غربت کرائے کے سپاہیوں کی بھرتی کا ایک سبب ہو سکتی ہے؟ جو تنازعات کو ہوا دے سکتا ہے مگر بہرحال یہ مشکل ہے کہ اس کو کوئی بہت زیادہ ٹھوس وجہ فرض کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں یہ دیکھا جانا بھی ضروری ہے کہ حقیقی غربت کے اثرات کتنے ہیں

اور اس سے متعلقہ مسائل جن میں سماجی عدم تحرک، حد سے بڑھی آبادی، بے روگازی اور سماجی بدحالی شامل ہیں، ان کا عمل دخل کتنا ہے۔
اس حوالے سے ہمارامحور ''نوجوان'' طبقہ ہونا چاہیے جو افغان جغرافیے کا بنیادی نمائندہ ہے۔ فگر نمبر(2) میں اس حوالے سے تفصیلات شامل کی گئی ہیں۔ عمر کے حوالے سے منحصرین کا تناسب (فی 100 بالغ افراد جن کی عمریں 64-15 سال کے دوران ہوں ان پر انحصار کرنے والے 15 سال سے کم عمر افراد)۔ اس حوالے سے واضح طور پر طالبان اثرات کے صوبوں سے قریبی تعلق نظر آتا ہے۔
یقیناً حد سے زیادہ بڑھا ہوا نوجوان طبقے کا تناسب سماج، خاندان، کمیونٹیز اور حکومت پر ایک گونہ دباؤ بڑھاتا ہے کہ ان کو سماج میں کیسے جذب کیا جائے کہ وہ بھی مطمئن رہیں۔ سماجی مراتب کا نظام بھی اس حوالے سے اہم عامل ہے۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ افغانستان کی نوجوان نسل کی خواہشات کے حوالے سے چند عمومی مفروضوں کے علاوہ کوئی ٹھوس تخمینے موجود نہیں ہیں۔ خاص طور پر اس حوالے سے معلومات انتہائی کم ہیں کہ دیہاتی علاقوں کے تمام لوگوں کی خواہشات کیا ایک جیسی ہی ہیں؟ اگر غربت مسئلہ تھا تو بڑے پیمانے پر جو ترقیاتی منصوبے بنے، وہ بے روزگاری کو ختم کر سکتے تھے اور تنازعات میں ملوث گروہوں کے لیے ریکروٹمنٹ کی بنیادیں ہلا سکتے تھے۔ غالبا یہ عمل بھی طالبان کی بجائے باقاعدہ فوج میں ریکروٹ منٹ کے عمل کو نقصان پہنچانے کا سبب بنا، کم از کم جنوبی افغانستان میں جہاں فوج میں ریکروٹمنٹ کی شرح کم رہی۔ اس لیے غربت مکاؤ مہم کے حوالے سے ہمارے تجزیے کا فوکس ان عوامل پر انحصار کرتا ہے جو ریکروٹمنٹ پر اکساتے ہیں اور جن کا نیچے ذکر کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ فرض کر لینا بھی زیادتی ہے کہ تمام افغان دیہاتی نوجوان محنت مزدوری کرنے کے ہی قابل ہیں۔ اگرچہ سماجی مراتب کے حوالے سے بھی کم معلوم دستیاب ہیں کہ پشتون دیہاتوں میں قبائلی لیڈرشپ کی تشکیل کرنے والے خاندان اور مذہبی طبقے کے خاندان معمولی ملازمتوں کو پیشکش سے متاثر ہوں۔
جنریشن گیپ کے حوالے سے بھی ہماری معلومات انتہائی محدود ہیں۔ کچھ شواہد ایسے ملے ہیں کہ افغان بزرگوں اور اشرافیہ کو اپنے نوجوان طبقوں کے کچھ عناصر پر قابو پانے میں دشواری پیش آرہی ہے، خاص طور پر وہ جوان جو پاکستان سے لوٹے جہاں بڑے بوڑھوں کا کنٹرول

کم ہے اور جو ریڈیکل مذہبی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ فرسٹریشن، سماجی ترقی کے محدود مواقع، بے روزگاری اور شادی جیسے عوامل کے امتزاج سے پیدا شدہ بے چینی کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ (132)

رسائی کے حوالے سے طالبان کا اثر بالعکس تناسب ہے۔ جنرل ایکن بیری کے الفاظ ہیں۔

''جہاں سڑک ختم ہوتی ہے وہاں سے طالبان شروع ہوتے ہیں''

تاہم دستیاب شواہد اس مفروضے سے میچ نہیں کرتے (فگر نمبر 3) مزاحمت کے شروع کے دنوں میں مزاحمت کاران علاقوں میں رہنا پسند کرتے تھے جہاں آسانی سے رسائی نہیں ہو پاتی تاہم بعد میں صورتِ حال کافی بدل گئی۔

ان مفروضوں میں غالباً سب سے دور کی کوڑی یہ ہے کہ ثقافتی قدامت پرستی مزاحمت کی تحریک میں وسعت کے حوالے سے سہولت کار کا کردار ادا کر رہی ہے۔ فگر نمبر (4) ظاہر کرتی ہے کہ ان صوبوں میں جہاں ریڈیو ٹی وی زیادہ ہیں طالبان وہاں نسبتاً زیادہ پھیلے ہیں۔

5.3۔ نسلی تقسیم

کابل میں سیاسی بحثیں عموماً نسلی بنیادوں پر ہوتی ہیں تاکہ انتخابی حلقے کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ (133) افغانستان کو ایک قوم سمجھنے والے افغانی لکھاریوں کو مختلف نسلوں کے درمیان موجود عدم ہم آہنگی کی بنیاد پر مسائل درپیش آتے ہیں۔ (134) اس مسئلے پر اہم تحریر حفیظ منصور کی جانب سے سامنے آئی جن کا خیال ہے کہ 1978 سے پہلے موجود استبدادی نظام ہائے حکومت کے خاتمے کے بعد افغانی نسل اسی کوشش میں رہی کہ اس کا دائرہ اثر وسیع ہو۔ دوسرے لفظوں میں منصور گذشتہ 30 سالوں سے جاری جنگ کا یہ مثبت پہلو پیش کرتا ہے کہ قوم سازی کے حوالے سے جنگ نے موثر کردار ادا کیا ہے۔ (135)

منصور نے اپنی کتاب میں مارکسسٹوں کے اس تصور کو بھی شامل کیا ہے کہ قوم سازی کے لیے منفرد تاریخی حالات اور قوم پرستانہ احساس برتری کے حامل وہ لوگ جو اس بات پر بضد ہوں کہ ایک قومی زبان پشتو ہونی چاہیے...... ضروری ہوتے ہیں۔ تاہم جمہوری بنیادوں پر قوم سازی کے تشکیل کے حوالے سے اپنی دلیل میں منصور کہتا ہے کہ اس کے لیے لازمی شرط

ہے کہ تکثیریت پسند معاشرہ قائم ہو جس میں تمام نسلی گروہوں اور زبانوں کو شناخت حاصل رہے۔(136)

افغانستان میں تنازعات کو ہوا دینے کے عامل کے طور پر نسل پرستی کی شہادت...... بذات خود وہ مباحث ہیں جو نسل پرستی کے حوالے سے ہو رہے ہیں۔ لٹریچر میں اس کے کئی حوالے موجود ہیں۔ جمعیت کے حمایتی اندش ماندنے حزب اسلامی کی جانب سے ربانی حکومت کی مخالفت کو ''پشتون فاشزم''(137) کا نام دیا اور اس پر تنقید کی۔ شمال علاقے کے لالستانی نے صدر نجیب اللہ کو اس کے ''نسلی'' اور قوم پرستانہ رجحانات پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس حقیقت کہ باوجود کہ سوویت انخلا کے بعد نجیب اللہ کی بقا کی مرکزی وجہ دوستم کی حمایت تھی، نجیب اللہ کو یہ گوارانہ تھا کہ دوستم طاقت پکڑے...... اسی وجہ سے اس نے جمعہ آساک کو ہدایات دیں کہ وہ دوستم کو شمالی علاقوں میں کمزور کرے۔ (138) ان دو متشدد بیانات کے علاوہ..... نسلیت کو افغان تنازعات کا اہم عامل گردانںے والوں کے جو دو متضاد نکتہ ہائے نظر موجود رہے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(1) پشتونوں کا یقین کہ وہ افغانستان میں اکثریت میں ہیں ۔اس نکتہ نظر کے حامی کہتے ہیں کہ کیونکہ پشتونوں نے افغانستان کو تخلیق کیا ہے اس لیے اقلیتی گروہ اگر ملکی استحکام چاہتے ہیں تو وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں۔ اگر فیڈرلزم صوبائی سطح پر عدم مرکزیت کا نام ہے تو پشتون اس پر بھی راضی ہیں مگر اس شرط پر کہ اس عمل کا مقصد افغانستان کی پشتون شناخت کو زک پہنچانا نہ ہو۔(139)

(2) دوسرے نسلی گروہوں کی قیمت پر ملک کی پشتون شناخت کو محکم کرنے کا عمل اور اس میں افغانستان سے باہر موجود پشتونوں اور بلوچوں کی حمایت افغانستان میں عدم استحکام کی بنیادی وجہ ہے۔ اس پالیسی نے افغان عوام کا ریاست پر اعتماد مجروح کیا ہے اور پاکستانیوں کی مداخلت کی راہ بھی ہموار کی ہے۔ افغانستان صرف اس صورت میں مستحکم ہو سکتا ہے(140) اگر اس میں پلورلزم (تکثیریت پسندی) کو جگہ دی جائے، ایسا معاشرہ جس میں نسلی، انسانی، ثقافتی اور مقامی شناخت کو یکساں انداز میں آگے بڑھنے کے مواقع حاصل ہوں۔(141)

2001 کے بعد جو اشارے موصول ہوئے ہیں ان کی روشنی میں دیکھا جائے تو نظر یہ آتا ہے کہ نسلی بنیادوں پر مزاحمت کاروں کے لوگوں کو اکسانے کے رجحان میں کمی آئی ہے جیسا کہ

اس حوالے سے ذیل میں بحث سے بھی آپ کو معلوم ہو گا۔ تاہم فگر نمبر5 اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ پشتون اکثریتی صوبے موجودہ مزاحمت سے بہت بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ یوں براہ راست نہ سہی تو بالواسطہ طور پر نسل پرستی نے اپنا کردار ضرور ادا کیا ہے۔
نسلی موبلائزیشن کو محدود رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی نسل سے ریکروٹمنٹ ہونے کے نتیجے میں کاؤنٹر موبلائزیشن کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ ایک فوجی، سیاسی تحریک اس لیے نسلی تعصّبات سے خود کو دور رکھتی ہے کہ اس سے ایسی تحریک جو قومی عزائم کی حامل ہو اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ زوال پذیر گروہ جیسے جمعیت اسلامی (تاجکوں کا ایک اسلام پسند گروہ)، جنبش ملی (جنرل دوستم کی پارٹی) اور1990 کی دہائی کے دوران فعال حزب اسلامی، نسلی پروپیگنڈے پر زیادہ انحصار کر رہے ہیں، کیونکہ اس وقت ان کی کوشش کا مرکزی نقطہ اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھنا ہے اور وہ طویل المیعاد عزائم اور اہداف سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ (142)

5.4: قبائل کے باہمی جھگڑے

افغانستان میں قبائل کے آپسی جھگڑوں کے حوالے سے کسی جامع تخمینے کے حوالے سے کبھی تردد نہیں کیا گیا ہے۔ صوبائی سطوح پر کچھ معاملات پر تحقیق تو ہوئی ہے مگر انہیں بھی عوامی سطح پر سرکولیٹ نہیں کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ قبائل اور کمیونٹیز کے درمیان تنازعات کے تخمینے کی کوششوں کا انحصار شواہد پر ہوتا ہے، جو آسانی سے دستیاب نہیں ہو پاتے۔ گاہے گاہے مختلف طاقتور افراد کے لشکروں کی ذاتی مفادات کی لڑائیاں رپورٹ ہوئی ہیں مگر ان کا مجموعی اثر کبھی سامنے نہیں آ سکا ہے۔ اہم حقیقت یہ ہے کہ ماضی میں حکومتوں نے اپنے مفاد کے لیے 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' کی پالیسی کو اختیار کرتے ہوئے ان تنازعات کو استعمال کیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اب بھی نوخیز فورسز کو اس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (143) طالبان کے حوالے سے کچھ شواہد ایسے ملے ہیں کہ انہوں نے قبائلی جھگڑوں کو اپنے حق میں استعمال کیا ہے تاہم کوئی مربوط مطالعہ اس حوالے سے سامنے نہیں آیا کہ موجودہ مزاحمت میں یہ عامل کتنا اہم ہے...... اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حالت جنگ

میں موجود کسی علاقے میں اس نوع کے جھگڑوں کا تحقیقی تخمینہ لگانا بہرحال ایک مشکل عمل ہے۔ صوبائی سطح پر قبائلی جھگڑوں کے مظہر پر جو تحقیق ہوئی ہے اسے بھی عوامی سطح پر مشتہر نہیں کیا جا سکا ہے۔ (144)

کمیونٹی موبلائزیشن

2001 کے بعد سے افغان حکومت نے مختلف کمیونٹیز کو اپنی طرف کھینچنے کے حوالے سے کچھ زیادہ تردد نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا کہ 2001 سے قبل بھی کچھ کمیونٹیز کے بڑوں کے درمیان اس حوالے سے بے چینی موجود تھی کہ تعمیر نو کے انتظام اور صوبوں کے باہمی تعلقات میں حکومت درست سمت میں کام نہیں کر رہی۔ وہ کمیونٹیز جو حکومت سے کمزور تعلق رکھتی تھیں (جن کے کابینہ میں موجود ارکان میں ان کا ہمدردہ نمائندہ نہیں تھا) ان کی طرف کابل انتظامیہ کی توجہ کم ہی گئی۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ بہت سی کمیونٹیز کو حکومت اپنے حق میں موبلائز نہیں کر سکی۔ اگر چہ جنوبی اور جنوب مشرقی افغانستان کی بہت سے کمیونٹیز 2001 سے حکومت مخالف رہیں، مگر اس کے باوجود کئی ایسے سماجی گروہ تھے جو اس سارے عرصے میں غیر جانبدار رہے، بعض تو صراحتا طالبان مخالف تھے اور حکومت کے حمایتی بھی مگر ان کا جوش بھی ان سالوں میں ٹھنڈا پڑ گیا ہے...... بسا اوقات تو وہ سماجی گروہ جو طالبان کے ساتھ کھڑے دکھائی دیے ان کے ذہن میں یہ خدشات محکم تھے کہ طالبان ان کے لیے خطرہ ہیں یا مبینہ طور پر خطرناک ہو سکتے ہیں۔ غیر جانبدار ذرائع بشمول افغانستان انڈیپنڈنٹ ہیومن رائٹس کمیشن اور یونائٹڈ نیشنز اسسٹنس مشن ان افغانستان کے مطابق شہری ہلاکتیں طالبان کی جانب سے نیٹو اور ایساف افواج کی طرف سے ہونے والی مجموعی ہلاکتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوئیں تاہم طالبان کے خلاف ان کمیونٹیز کا بدلے پر مبنی روایتی رویہ مربوط شکل میں سامنے نہ آیا۔

حکومت کی طرف سے جو موبلائزیشن ہوئی اس میں مادی مفادات محوری نکتہ رہے، حتیٰ کہ وہ گروہ جو ملیشیا اور پولیس کی شکل میں طالبان کے خلاف نبرد آزما رہے ان کے عزائم بھی فقط مادی مفادات تک محدود رہے اگرچہ وہ طالبان سے پرخاش رکھنے والے اور بدلے کے عزائم کے حامل بھی تھے۔

MashalBooks.org

جرات اور حقیقی عزائم کے ساتھ طالبات کے خلاف لڑنے والی کمیونٹیز کی چند ایک ہی مثالیں موجود ہیں (کچھ بارکزائی اور اچکزئی قبائل جو ڈانڈ اور سپن بولدک میں اور کچھ پوپلزئی قبائل ترین کوٹ میں، عزم و ہمت کے ساتھ لڑے، مگر مجموعی طور پر طالبان مخالف موبلائزیشن محدود رہی۔)(145)

ایسا کیوں ہے؟...... اس کی وجوہات واضح نہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ طالبان مقامی قبائل کے خلاف مہم جوئی کے حوالے سے ہمیشہ محتاط رہے۔ بڑے پیمانے پر جاری خانہ جنگی میں طالبان نے انتظار کرنے اور سچویشن بدلنے کے آپشن کو منتخب کیا۔ جب کبھی انہوں نے حملہ بھی کیا تو مجموعی طور پر قبائل کو نشانہ بنانے کی بجائے چند شخصیات کو نشانہ بنایا۔(146)

جہاں تک حکومتی سرپرستی میں ہونے والی کمیونٹی موبلائزیشن کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ عمل ان طاقتور افراد کو بنیاد بنا کر کیا گیا جو کابل انتظامیہ سے منسلک تھے یا جن کا انتظامی امور میں کافی عمل دخل تھا۔ جنوب کے حوالے سے متعدد مثالیں اس سلسلے میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جان محمد جب ارزگان کا گورنر تھا اس نے پوپلزئی قبائل اور کچھ چنیدہ بارکزئی اور اچکزئی کمیونٹیز کو مخالف قبائل کے خلاف موبلائز کیا۔ کچھ معاملات میں یہ موبلائزیشن دیرپا بھی ثابت ہوئی کیونکہ قبائلی نظام میں یہی ہوتا ہے کہ جب لڑائی ایک بار شروع ہو جاتی ہے تو آسانی سے ختم نہیں ہوتی۔ (147) بعض صوبوں میں ایسے قبائل کی بھی مثالیں موجود ہیں جو طالبان اور حکومت دونوں کے خلاف لڑے۔ (148)

2006 کے بعد مختلف کمیونٹیز کو منظم انداز میں ملیشیا بنا کر مزاحمت کاروں کے خلاف استعمال کرنے کے حوالے سے گفت وشنید ہوئی۔ (149) خیال یہ تھا کہ کمیونٹیز کو کچھ مراعات دے کر حکومت کے حق میں مزاحمت کاروں کے علاقے میں داخلے کے وقت استعمال کیا جاتا۔ یہ خیال سابقہ کاؤنٹرانسرجنسیز (رد بغاوت) ملیشیا کے کردار کو ذہن میں رکھتے ہوئے آیا جب ان ملیشیاز نے فیصلہ کن نہ سہی کم از کم اہم کردار ضرور ادا کیا تھا۔ مثال کے طور پر اربکئ قبائلی پولیس جو جنوب مشرقی افغانستان کے علاقے میں مزاحمت کاروں کی سرگرمیوں کو روکنے میں کامیاب رہی تھی۔ ایساف کو یقین ہے کہ اس طرح کا نظام باقی علاقوں پر بھی لاگو ہو سکتا ہے۔ (150)

رد بغاوت فورسز کے قیام کے حوالے سے جو مرکزی مسئلہ پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اس خیال کو

ایساف میں تو مقبولیت ملی مگر مقامی حکومتی اہلکار اس خیال سے اس شک کی بنیاد پر متفق نہ ہوئے کہ ایک تو وہ ملیشیاز کے تصور کو ٹھوس نہیں سمجھتے تھے اور دوسرا ڈر انہیں یہ تھا کہ جنگ کو ملیشیا پر چھوڑ کر ایساف افغانستان میں براہ راست جنگی سرگرمیوں کو محدود کردے گی۔ علاوہ ازیں جنوب مشرق میں اربکیٔ پولیس جیسے نظام کو اگرچہ کامیابی ملی تاہم باقی ملک میں یہ روایت کبھی بھی نہیں رہی تھی یا قائم بھی ہوئی تو جلد ہی ناکام ہوگئی تھی۔ کچھ مبصرین تو جنوب مشرق میں بھی اربکیٔ نظام کو زوال آمادہ قرار دے رہے ہیں۔ اربکیٔ پولیس کو جب امریکہ کی جانب سے تنخواہیں ملنا شروع ہوئیں تو یہ روایتی قبائلی قبولیت کھونے لگی اور ایک قسم کی کرائے کی فورس تصور ہونے لگی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی موثریت کم ہوگئی۔ (151)

ملیشاز (لشکر)

امریکیوں نے کوشش کی کہ اربکیٔ نظام کو جنوب مشرق میں زندہ رکھا جائے۔ بقیہ افغانستان کے لیے تو شاید یہ نظام موثر نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے قطع نظر کہ ملیشا کس طرح تخلیق ہوئے ان میں سے کوئی بھی ملیشا اربکیٔ طرز پر نہیں تھا۔ ملیشاز بنانے کے حوالے سے2006 کے بعد متعدد تجربات کیے گئے۔ ہر تجربے میں ملیشا کی ساخت کے حوالے سے کچھ مختلف اوصاف تھے تو کچھ مشترک نکات ...... اور وسائل بھی۔ ان تجربات میں دو، نام نہاد افغان پبلک پروٹیکشن پروگرام (AP3) لوکل ڈیفنس انیشی ایٹو، جن کا مقصد قبائل کو زیادہ سے زیادہ موبلائز کرنا تھا۔ AP3 کا آغاز صوبہ واردک سے2009 میں ہوا، سست آغاز کے بعد اگرچہAP3, 1000 جوانوں کو بھرتی کرنے میں کامیاب ہوگیا تاہم قبائلی موبلائزیشن کے حوالے سے یہ تصور کامیاب نہ ہوسکا۔ سوچا یہ گیا تھا کہ اس قسم کے قبائلی لشکروں کے قیام کے حوالے سے قبیلوں کے بڑوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور یہی قبائلی بڑےAP3 کے لیے بھرتیاں کریں گے اور شورائی مقامی طرز پر اربکیٔ کی طرح ان لشکروں کا انتظام سنبھالا جائے گا مگر عملی طور پر یہ ہوا کہ بھرتیوں کے عمل میں صوبائی گورنر، نیشنل ہیڈ آف سکیورٹی اور دیگر طاقتور افراد کا عمل دخل زیادہ رہا جنھوں نے اپنی پسند کے جوانوں کو اس میں بھرتی کرایا اور ان لشکروں کو اپنی حمایت یافتہ ملٹری میں ڈھالنے کا ذریعہ بنالیا۔
اپنے قیام کے پہلے سالAP3 ان علاقوں میں بھرتی کے لیے افراد جمع کرنے میں تھوڑی سی

MashalBooks.org

ہی کامیاب رہی جہاں طالبان کا اثر زیادہ تھا۔AP3 کو باقاعدہ فورس میں ڈھالنے کے لیے ضروری تھا کہ کسی طاقتور شخص کو اس کا سربراہ بنایا جاتا اور یوں غلام محمد ہوتک کو اس کی سربراہی مل گئی جو سابقہ طالب تھا اور جس کو قید سے رہا کیا گیا تھا۔ وہ AP3 میں بھرتیوں کے عمل کو توسیع دینے میں کامیاب رہا۔ اور یہ وہ پوائنٹ تھا جب AP3 کی قبائلی شناخت مکمل طور پر ختم ہو گئی۔(152)

لوکل ڈیفنس انیشی ایٹو (LDI) کا نفاذ 2010 میں کیا گیا۔ اس کے حوالے سے بھی سوچا یہی گیا تھا کہ کہ قبائلی انوالومنٹ کا اہتمام بذریعہ گاؤں کی شوری اور کمیونٹی ڈویلپمنٹ کونسلز کے تحت کیا جائے گا۔ کمیونٹی ڈویلپمنٹ کونسلز کا قیام وزارت دیہی ترقی وتعمیر نو کے پروگرام نیشنل ڈویلپمنٹ کے تحت کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ پروگرام حال ہی میں فعال کیا گیا ہے اس کے بارے میں کسی بھی قسم کا تخمینہ لگانا مشکل ہے۔ ابتدائی اشارے جو کچھ علاقوں کے حوالے سے ملے اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ کچھ قبائل میں قبائلی بڑوں کو شامل کیا گیا جو اس فورس کی بھرتی کے عمل میں شریک رہے۔ جبکہ دیگر علاقوں میں یہ پروگرام کئی مسائل میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ قبائلی کی باہمی دشمنیاں ایک پیچیدہ معاملہ تھیں جن کے بارے میں پروگرام شروع کرتے وقت کوئی اندازہ نہ لگایا گیا۔(153) 2010 میں افغان لوکل پولیس کا قیام عمل میں لایا گیا ...... یہ ایل ڈی آئی کا متبادل تھی اور جس کا انتظام افغانستان بھر میں پھیلے تھانوں کے تحت تھا۔

اقوام متحدہ کی سپیشل آپریشن فورس (SOF) نہ صرف ان لشکروں کی تربیت میں انوالو تھی بلکہ ان کی تعیناتی کے بعد وہ ان کی نگران بھی تھی۔ تاہم ایس او ایف کا عملہ مستعد اور فعال ہونے کے باوجود بھی محدود تھا اور یہ اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہے کہ ملک بھر میں پھیلے اور وسعت اختیار کرتے اس پولیس کے نظام کی وہ کتنی نگرانی کر سکے۔

2009 کے بعد حکومت اور ایساف کی کوششیں کہ مقامی قبائل کو اس جنگ میں زیادہ سے زیادہ انوالو کیا جائے، غیر مربوط اور ایڈہاک بیس تھیں۔ اس کے بعد اگرچہ اس عزم کا اظہار بھی کیا گیا کہ اب ان کوششوں کو زیادہ منظم انداز سے کیا جائے گا تاہم اس حوالے سے مقامی سماج کی حرکیات کو سمجھے بغیر آگے بڑھنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔

MashalBooks.org

5.5۔ 2001 کے بعد دیہی شہری تقسیم

افغانستان کے حوالے سے موجود لٹریچر میں 2001 کے بعد دیہی شہری تقسیم کا شاذ ہی ذکر ہوتا ہے جو حیران کن امر ہے حالانکہ افغانستان کے شہروں اور دیہی علاقوں میں انتہائی تضادات موجود ہیں۔(154) شہری اور دیہی تنازعات کے تناظر میں طالبان کے ابھرنے کا عمل تحقیق کا ایک باقاعدہ عنوان ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ دیوبندی اور سلفی مکتبہ فکر جو طالبان کی اکثریت کا مکتبہ فکر ہے وہ افغانستان کی دیہی آبادی کے لیے نئی چیز تھا تاہم تحقیق کا اہم نکتہ یہ ہے کہ طالبان کیونکر اس شہری دیہی تقسیم کے تنازع کے باوجود قدم جما پانے میں کامیاب ہوئے۔

افغان وزارت مالیات کے مطابق بین الاقوامی برادری کی جانب سے 36 بلین ڈالر کی جو مدد کی گئی اس کا 15 فیصد زراعت کی بہتری اور دیہی ترقی کے لے مختص تھا۔(155) یہ ایک خطیر رقم ہے۔ ان وسائل کے اثرات کا تخمینہ لگانا مشکل ہے۔ تاہم عمومی تاثر یہی ہے کہ وہ علاقے جو خانہ جنگی سے متاثر ہوئے وہاں ان فنڈز کا موثر طریقے سے استعمال نہ کیا جاسکا اور یہ مشکل امر بھی تھا۔ ان علاقوں کے حوالے سے جو بھی منصوبے کے تخمینے تھے انہیں پبلک ڈومین میں ریلیز نہ کیا گیا۔

سماجی اور معاشی تبدیلیوں کے حوالے سے جو مجموعی اثرات افغان معاشرے پر مرتب ہوئے اس کا تخمینہ بھی ابھی تک نہیں لگایا گیا ہے۔ سطحی شواہد بتاتے ہیں کے نئے معاشی ماحول میں بڑوں کا رویہ افادی بنیادوں کا حامل بن گیا ہے۔ سماجی حوالوں سے دیکھیں تو ان رپورٹوں کے ساتھ ان شواہد کا تعلق بنتا ہے(156) جن میں بتایا گیا ہے کہ بڑوں کا جوانوں پر کنٹرول بہت حد تک کم ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بہت سے افغان جوان مہاجر کمپوں میں پلے بڑھے اس لیے ان کی زیادہ بڑی اکثریت قبل از جنگ کی سماجی ساخت کے اثرات قبول نہیں کر رہی۔ یہ محاصل بھی شاید اہمیت کا حامل ہے جو گھر کے بزرگوں کے اثرانداز ہونے کی صلاحیت کو کمزور کرنے کا سبب بنا ہے۔

علاوہ ازیں ماس میڈیا، جس تک دیہاتی علاقوں کے مکینوں کی رسائی بہت محدود تھی، اب بہت بڑھ چکی ہے۔ اب ہر افغانی گاؤں میں ریڈیو پروگرام سنے جاتے ہیں۔ قابل ذکر دیہاتی آبادی کی ٹی وی تک بھی رسائی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ

شہروں میں جو معاشی روپے پنپ چکے ہیں وہ دیہاتوں میں بھی پہنچ رہے ہیں۔ایساف کے پاس اگرچہ ڈیٹا موجود ہے کہ دیہاتی افغان آبادی کس قسم کے پروگرام سنتی ہے اور کتنی آبادی کی ماس میڈیا تک رسائی ہے، مگر ان معلومات کو مشتہر نہیں کیا گیا ہے۔(157)

5.6۔ معاشی عوامل

2001 میں افغانستان میں عالمی مداخلت اس لحاظ سے بروقت تھی کہ اس نے طالبان کو امن قائم کرنے والی طاقت کے رتبے سے محروم کردیا اور یہ کردار امریکی قیادت میں موجود فورسز اور کرزائی کی عبوری انتظامیہ کو مل گیا۔ اگرچہ اس مظہر کی بنیاد فہم وفراست سے زیادہ کچھ دیگر عوامل پر تھی۔ ملک جس تباہ حالی کا شکار تھا اس میں محدود اثرات کی حامل مرکزی حکومت کے باوجود امن کی نئی شرائط کا امکان بہرحال موجود تھا۔ طالبان اور اس کے پاکستانی اتحادیوں کی ابتدائی کوششیں جو نئے تنازع کو جنم دینے کے حوالے سے کی گئیں، وہ محدود کامیابیاں حاصل کر پائیں، اگرچہ یہ کوششیں اس بات کا اشارہ تھیں کہ عالمی مداخلت کسی ایسے معاہدے تک پہنچنے میں ناکام رہی جو کلیدی پلیئرز کے مفادات کی ضمانت بن سکتا۔ مصنوعی امن جو 2001 میں قائم کیا گیا اس کی جگہ جلد ہی متضاد مفادات کی کشمکش نے لے لی...... یہ کلیش بعض موقعوں پر مخالف نیٹ ورکس کی تشکیل کا سبب بنا۔ ان میں سے کچھ نیٹ ورکس کو کابل اور واشنگٹن کی سرپرستی حاصل تھی تو کچھ کو نہیں۔

2011 کی ابتدا میں ان مفادات میں مزید اضافے کا امکان بھی نظر آنے لگا جو تنازع میں شامل فریقوں کے لیے بہتر تھا۔ اور یہ بھی نظر آرہا تھا کہ مستقبل قریب میں نئے وسائل بھی ملک میں آئیں گے۔ یوں تنازع کے تمام فریق خانہ جنگی کی اس صورت حال سے مطمئن تھے اگرچہ اس پورے عرصے میں بھی وہ اپنی پوزیشن کو مضبوط تر کرنے کے چکر میں رہے۔ حکومت اور اس کے اتحادی تو بیرونی امداد کے براہ راست وصول کنندہ تھے ہی، طالبان کو بھی بالواسطہ بیرونی امداد کا فائدہ ملا کیونکہ امدادی منصوبوں اور تجارتی سرگرمیوں کے باعث انہیں بھی ٹیکس زیادہ ملنے لگا۔

افیون سے متعلق معیشت

جس طرح افیون معیشت کے حوالے سے مفروضے پیش کیے جاتے ہیں ان کے علی الرغم اس

MashalBooks.org

بات کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہے کہ اس تجارت کا تنازعات کے حوالے سے حقیقی کردار کیا رہا ہے۔ کچھ مصنفین کا کہنا ہے کہ اس بات کے کافی سے زیادہ شواہد موجود ہیں کہ طالبان منشیات کی تجارت میں1990 کی دہائی میں براہ راست شامل تھے اور جس کا نتیجہ انہوں نے یہ نکالا کہ 2001 کے بعد بھی مزاحمت کو اسی ماخذ سے فنڈ کیا جارہا ہے۔ منشیات کی ٹریفکنگ سے طالبان کے تعلقات کے شواہد اگرچہ ٹھوس تھے، مگر کچھ مصنفین زیادہ ہی آگے چلے گئے اور کہنے لگے کہ طالبان کی تحریک کی مالی بنیادیں صرف اسی تجارت پر انحصار کرتی ہیں۔ یہ مصنفین طالبان کو منشیات سے متعلق دہشت گرد تنظیم کا نام دینے لگے، یہ وہ مقام ہے جہاں سیاسی اور معاشی مفاد ملتے نظر آتے ہیں۔(158) کچھ مصنفین کا خیال اس کے برعکس ہے، وہ طالبان کو بطور تحریک اس تجارت میں شامل نہیں سمجھتے، اور اس الزام کو سیاسی الزام قرار دیتے ہیں(اگرچہ وہ افراد کی اس تجارت میں شمولیت کو رد نہیں کرتے)۔[159] دلیل کے طور پر تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے حکومتی اتحادی طاقتور شخصیات منشیات کے اس دھندے میں ملوث رہے ہیں، بلکہ خود حکومتی اہلکار بھی شامل تھے جو ملک کو عدم استحکام کا شکار کرنے کا سبب ہوئے اور افغانستان کی گلوبل ذمہ داریوں کو گمراہ کرتے رہے۔[160]

تاہم اس حوالے سے جو معلومات دستیاب ہیں وہ ناکافی ہیں اور یہ تخمینہ لگانا عملی طور پر ناممکن ہے کہ طالبان اس تجارت سے کتنا ریونیو حاصل کر رہے ہیں۔ تاہم یہ امر زیادہ قرین قیاس محسوس ہوتا ہے کہ طالبان ٹیکس کی وصولی کے اپنے مربوط نظام کی بدولت دوسری کسی بھی فصل کی نسبت اس سے زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہوں گے۔ اس تجارت کا غیر قانونی ہونا بھی ایک عامل ہے جو طالبان حامی کمیونٹی موبلائزیشن کے حوالے سے کارگر رہا کہ وہ لوگ جو اینٹی نارکوٹکس چھاپوں سے متاثر ہوئے طالبان کی طرف جھک گئے۔ (دیکھیے6.2)

امدادی ٹھیکوں کا کردار

افغانستان میں امدادی ٹھیکوں پر جو تنقید ہوئی اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ یہ جھگڑوں کے حل کے حوالے سے غیر موثر رہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ کیا امدادی منصوبے خود حکومت مخالف موبلائزیشن کا عامل بنے؟ امدادی منصوبوں کی مکمل شفاف

تقسیم میں مزاحمت ایک وجہ تھی کہ جس کی بنیاد پر یہ امدادی منصوبے عدم استحکام کا سبب بنے۔ضروریات کے نامکمل تخمینے اس عدم شفافیت کی ایک وجہ ہوتے تو خیر تھی مگر یہاں تو یہ ہوا کہ ڈونر اور عملدرامد کی ذمہ دار ایجنسیاں اور مقامی وڈیرے اور قبائل کے بڑے ان فنڈز کی تقسیم میں خورد برد کرتے رہے اور ڈونرز نے بھی ان کی تقسیم میں ذاتی تعصب کو بنیاد بنایا۔(161)

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا یہ ایڈ پراجکٹس اینٹی گورنمنٹ موبلائزیشن کا سبب بھی بنے کہ مزاحمت کار اس مد میں ٹیکس کی اپنی آمدنی کو بڑھاتے رہے۔اگرچہ اس حوالے سے بھی مستند مطالعہ سامنے نہیں آیا ہے تاہم میڈیا رپورٹس بتاتی ہیں کہ جہاں بھی مزاحمت کاروں کو رسائی ملی انہوں نے ان پراجیکٹس پر 20 سے 40 فیصد تک ٹیکس وصول کیا۔(162) 2009 کی ایک USAID رپورٹ تصدیق کرتی ہے کہ ٹھیکے دار مزاحمت کاروں کو اپنے تحفظ کے لیے رقمیں دیتے رہے اور یوں USAID رپورٹ کے تخمینے کے مطابق ہی 5.2 ملین امریکی ڈالر اس مد میں طالبان کے پاس پہنچے۔(163)

5.7۔ عالمی مداخلت

افغانستان میں بطور اینٹی گورنمنٹ موبلائزیشن عالمی مداخلت کے بارے میں ظاہرا یہ مفروضہ بھی دعوے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ تہذیبوں کا تصادم ہے کہ ایک عیسائی فوج مسلم علاقوں پر قابض ہونے کے لیے آئی جسے افغان عوام نے رد کر دیا۔ ایک دوسرا ورژن اس حوالے سے یہ ہے کہ بیرونی فوجوں کی افغانستان میں دخل اندازی نے قوم پرست ردعمل کو ہوا دی۔ تاہم اس حوالے سے یہ تو واضح ہے کہ اس طرح کی کوئی ری ایکشن شروع میں نہیں تھی جب 2001 میں ان افواج نے مداخلت کی تھی۔ اگرچہ ایسے واقعات بھی مقامی اور بیرونی فورسز کے درمیان ہوئے جو تہذیبوں کے تصادم کے نظریے کے حق میں جاتے ہیں تاہم کلی طور پر مزاحمت کو تہذیبوں کے تصادم کو عنوان دیا جانا دور کی کوڑی محسوس ہوتا ہے کہ شروع کے کئی سالوں میں اس طرح کی کوئی متشدد مزاحمتی تحریک سامنے نہیں آئی تھی۔ اس عمل کو تہذیبوں کے تصادم کی بجائے تہذیبوں کے درمیان مزاحمت Friction کہا جائے تو یہ زیادہ قرین قیاس محسوس ہوتا ہے کیونکہ اس طرز کے جتنے بھی واقعات ہوئے وہ کم تر سطح کے تھے

MashalBooks.org

جس میں بعض علاقوں میں موجودقوم پرست، مذہبی اور غیر ملکیوں سے نفرت کرنے والے عناصر شامل تھے۔[164] اور اس طرح کی فرکشن ہمیشہ سامنے آتی ہے جب باہری فوج کسی ریاست پرحملہ آور ہوتی ہے، لیکن یہ مزاحمت جو افغانستان میں سامنے آئی وہ دیگر عوامل سے صرف نظر کر کے صرف اس ایک عامل کی بنیاد پر نہیں ہے۔[165]

غیر ملکی فورسز اور مقامی آبادی کے درمیان سنجیدہ ترین فرکشن کی بنیاد وہ واقعات بنے جن میں خانہ جنگی کا شکار علاقے میں مزاحمت کاروں اور بیرونی فورسز کے درمیان لڑائی میں کولیٹرل ڈیمیج کی وجہ سے عام لوگوں کی ہلاکتیں ہوئیں۔ سیکشن 5.2 میں تفصیل کے ساتھ عام شہری ہلاکتوں کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے اور ان اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جو کمیونیٹیز کو متشدد اقلیت کے کیمپ میں دھکیلنے کا سبب بنے۔ یہاں اس حقیقت کا ذکر کر دینا کافی ہے کہ آپریشن اینڈیورنگ فریڈم، جس کے تحت القاعدہ اور اس کے افغان حلیفوں کو نشانہ بنایا گیا تھا، اس میں بھی 05-2002 کے دوران شہری ہلاکتیں بڑی تعداد میں ہوئیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تب کیوں یہ ردعمل سامنے نہ آیا اور تحریک مزاحمت میں اتنی تاخیر سے یہ تندی کیوں آئی۔ صاف سی بات ہے کہ شہری ہلاکتوں اور بدلے کے درمیان کوئی خود کار لنک نہیں ہوسکتا۔

جب مداخلت اعلی سطحی ہو اور اس میں بڑی رقم بھی شامل ہو، یہ بذات خود اینٹی گورنمنٹ موبلائزیشن کا عامل ہوتی ہے۔2002 کے بعد جو تین اضافی عوامل شامل ہوئے جنہوں نے تحریک مزاحمت کو اور بھی متشدد کر دیا ان کا بھی یہاں اجمالی ذکر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ ان میں پہلے عامل کے حوالے سے سیکشن 6.5 میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے: یعنی طاقتور افراد، عوامی محرومیاں، بدلے کی خواہش، فارنر سے نفرت، قوم پرست احساسات اور مذہب پر بنیاد رکھنے والی اپوزیشن...... یہ تمام عوامل جمع ہوتے رہے تاوقتیکہ انہیں اظہار کا موقع ملا اور یہ اظہار مزاحمتی تحریک کی صورت میں سامنے آیا جواب اتنی بڑھ چکی ہے کہ کامیابی کا دعوی کر سکتی ہے۔

دیگر دوعوامل عالمی مداخلت سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تصور کہ فارن فورسز کی دخل اندازی کا مقصد سٹیٹس کو میں مداخلت تھا جس کا فائدہ متحارب کمیونیٹیز یا مرکزی طاقتوں کو پہنچانا تھا جن کے مفادات مقامی آبادی سے متضاد تھے، ایک طاقتور فیکٹر ہے جس نے متعدد قبائل کے ردعمل کو مہمیز دی، جیسا کہ سیکشن 6.2 میں بحث کی گئی ہے۔ اور آخری فیکٹر جو ریڈیکل

اقلیت کے لیے سہولت کار بن سکتا ہے وہ تھا کاؤنٹر ایکسٹرنل انٹرونشن (جوابی بیرونی مداخلت)۔ وہ بیرونی طاقتیں جو افغانستان میں پہلے دخل نہیں دے رہی تھیں بلکہ کسی حد تک وہ مزاحمت کاروں کی مخالف تھیں انہوں نے بھی دخل اندازی پر رضامندی ظاہر کردی۔ پاکستان کے کردار کے حوالے سے سیکشن 6.1 اور معاشی عوامل کے حوالے سے 6.2 میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہاں یہ ذکر کردینا ضروری ہے کہ پاکستان وہ واحد ملک نہیں جس نے افغانستان میں مغربی ملکوں کی دخل اندازی کے خلاف تحریک کو ہوادی۔ اب اس حوالے سے شواہد بھی کافی سے زیادہ موجود ہیں کہ 2005 کے بعد سے طالبان کے ساتھ ایران کے تعلقات بھی کافی گہرے ہوئے ہیں۔[166]

5.8 دیگر عوامل کی جانچ

جن شواہد کا ذکر اوپر کے سیکشن میں کیا گیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ وہ دلائل جنہیں افغانستان سے متعلق لٹریچر میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے ان میں سے اکثریت ایسے عوامل کی ہے جو کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتے۔ عالمی مداخلت نے افغان سماج کے کئی طبقات کو تنہائی کا شکار کیا جن میں پہلے نمبر پر رجعت پسند طبقہ آتا ہے۔ کمزور افغان حکومت نے ان طبقات میں جو مداخلت کار فورسز کے ساتھ تھے میں اس تاثر کو محکم کیا کہ نئے نظم میں وہ شکست کی جانب جارہے ہیں۔ نہ تو قبائلی مخاصمتیں، نہ نسلی محرومیاں تنازع کو ہوادینے کا سبب بنیں، نہ غربت اور پسماندگی اور نہ ہی دیہی اور شہری تقسیم، اگرچہ ان میں سے کچھ عوامل نے اینٹی گورنمنٹ موبلائزیشن کے حوالے سے اہم کردار ضرور ادا کیا۔ دیہی شہری تقسیم کے کردار کے حوالے سے خاص طور پر شواہد عکاس ہیں کہ افغان سماج بیرونی مداخلت کو قبول کرنے والوں اور ان کو رد کرنے والوں میں بٹ گیا۔ بعد ازاں وار اکانومی نے اپنا کھیل کھیلا جس نے مختلف مفادات کو جنم دے کر جنگ برائے جنگ کو مطمح نظر بنا لیا جس کے نتیجے میں کرائے کے سپاہیوں، منافع خوروں اور ٹھیکیداروں کا طبقہ وجود میں آیا۔ جنگ کا چکر تو یہی ہے کہ کس طرح مختلف عوامل ایک دوسرے کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرتے ہیں۔ کمزور حکومتیں قبائل کے درمیان مخاصمتوں کو ہوا دیتی ہیں اور بدلے میں یہ مخاصمتیں حکومتی اداروں کی عملداری کو کمزور کرتی ہیں۔ یہی اصول نسلی تقسیم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ عالمی

مداخلت اور وار اکانومی ایک دوسرے سے منسلک ہوتی ہیں...... جس طرح افغانستان میں بیرونی دولت خرچ کی گئی اس نے شہری اور دیہی تقسیم کو اور بھی محکم کیا، بغاوت کو اس سے ہوا ملی اور بدلے میں بیرونی مداخلت بڑھی اور انہیں مزید رقم خرچ کرنا پڑی۔

MashalBooks.org

6۔ تنظیم بطور اینٹی گورنمنٹ موبلائزیشن: طالبان

ایک خصوصی سبق شامل کیا جارہا ہے جس میں طالبان بطور تنظیم بحث کا موضوع ہوگا، اور اس کے تنظیمی ڈھانچے پر بات کی جائے گی جو اینٹی گورنمنٹ موبلائزیشن کے حوالے سے ایک اہم فیکٹر ہے۔ صرف طالبان جیسی مخصوص تنظیمیں ہی ایسے ناموافق حالات کے باوجود کسی جنگ کو جاری رکھ سکتی ہیں، جیسا کہ انہوں نے ثابت کر کے دکھایا ہے۔
افغان حکومت کے کمزور تنظیمی ڈھانچے نے بھی تنازعات کو بڑھاوا دینے کے حوالے سے ایک اہم عامل کا کردار ادا کیا ہے، وجہ سادہ سی ہے کہ کمزور حکومتیں ہمیشہ ہی غیر موثر رہتی ہیں۔علاوہ ازیں بیرونی افواج جو افغانستان میں موجود اور سرگرم ہیں، انہوں نے بھی ملک میں جاری کشمکش کو طویل کیا جس کی بنیادی ترین وجہ یہ رہی کہ وہ مقامی ماحول سے مطابقت پیدا نہ کرسکیں۔2010 میں کہیں جا کر محسوس ہونے لگا کہ نیٹو افواج، خاص طور پر امریکی فوج نے چیلنج سے نمٹنے کے لیے کامیاب لائحہ عمل کو اختیار کیا۔

6.1 ۔ طالبان مزاحمت کی ابتدا

2001 میں افغانستان میں خانہ جنگی کا دوبارہ آغاز کیسے ہوا؟ اس حوالے سے متعدد مباحث ہو چکے ہیں اور افغانستان سے متعلق لٹریچر اس سے بھرا پڑا ہے۔ تمام اشاریے ظاہر کرتے ہیں کہ آپریشن انڈیورنگ فریڈم کے بعد طالبان کو خاصی حزیمت اٹھانا پڑی اور یہ تنظیم مکمل بدنظمی کا شکار ہوگئی۔[167] 2002 کے بعد کیوں اور کیسے طالبان خود کو دوبارہ موبالائز کرنے میں کامیاب ہوئے؟ یہ سوال بھی اہم نوعیت کا حامل ہے جس کے باب میں اکثر مبصرین کا

MashalBooks.org

خیال ہے کہ جرمنی کے شہر بون میں جو سیاسی سمجھوتہ ہوا اس میں طالبان کو شامل نہ کرنا وہ بنیادی وجہ بنی جو طالبان کے دوبارہ جڑ پکڑنے کا سبب ہوئی۔(168) ہوسکتا ہے کہ یہ دلیل درست ہو تاہم دوسری طرف یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ طالبان کی عدم شمولیت کے باوجود بون میں ہونے والے سیاسی سمجھوتے میں اور بھی کئی سقم موجود تھے۔ اگر طالبان کو اس سیاسی سمجھوتے میں شامل کر لیا جاتا تو یہ سمجھوتہ اور بھی کمزور ہو جاتا۔ کیونکہ اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ کابل اور واشنگٹن ہر دو محاذوں پر طالبان کو بون سمجھوتے میں شامل کرنے کے حوالے سے سیاسی عزائم نہیں تھے (ہاں البتہ اقوام متحدہ یہ ضرور چاہتی تھی کہ طالبان بھی اس سیاسی سمجھوتے میں شامل ہوتے)۔ اس وقت یہ خیال عام تھا کہ طالبان کو مکمل طور پر شکست دی جا چکی ہے اور وہ کوئی ایسی طاقت نہیں رہے تھے جن کو مذاکرات میں شامل کرنے کی ضرورت تھی، جبکہ کچھ کا خیال تھا کہ اس موقع پر طالبان کو شامل کیا جاتا تو زیادہ بہتر نتائج نکل سکتے تھے۔(169) بعد میں پاکستان کی طرف سے بھی کوشش کی گئی کہ ''معتدل طالبان'' جماعت کو افغانستان کے سیاسی منظر نامے میں شامل کیا جائے، مگر اس کوشش کو کابل کی حمایت نہ مل سکی اور یوں پاکستان کی ان کوششوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔(170)

طالبان کو کھڈے لائن لگانے اور نظریاتی طور پر شدید نقطہ نظر اختیار کرنے کی وجہ سے 2002 کی ابتدا میں جو صورت حال سامنے آئی اس سے لگنے لگا کہ طالبان لیڈر شپ نے ایک بار پھر افغانستان میں بغاوت کو منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس موقع پر یہ تند بحث بھی چھڑی کہ پاکستان کے خفیہ ادارے طالبان کو واپس جنگ کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ کچھ مبصر یہ کہتے ہوئے بھی پائے گئے کہ طالبان کو دوبار سرگرم کرنے میں کلیدی کردار آئی ایس آئی کا تھا اور طالبان اس ایجنسی کے افغانستان میں کٹھ پتلی تھے، جس نے طالبان کو افغانستان میں دوبارہ اثرورسوخ کے حصول کے لیے استعمال کیا، وہ اثر و رسوخ جو آئی ایس آئی کھو چکی تھی۔ اب جبکہ طالبان بغاوت کی حمایت کے حوالے سے پاکستان کے کردار سے متعلق شواہد پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں، مگر اس کے باوجود یہ نظریہ کہ طالبان پاکستان کے کٹھ پتلی کے سوا کچھ نہیں، ایک بعید از قیاس تصور ہے۔(171)

اس حوالے سے بہترین مظاہرہ، جیسا کہ ہم نے 1980 کی دہائی کے حوالے سے دیکھا،

MashalBooks.org

افغانستان کی اشرافیہ یا رد اشرافیہ کا جنگ شروع کرنے پر رضامند ہونا، اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ اس میں کامیابی بھی حاصل کر لے۔ نتیجہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ، چاہے بیرونی اثرات جتنے بھی مکروہ ہوں، وہ کسی بھی ملک میں جنگ کے شعلوں کو اپنی مرضی سے نہیں بھڑکا سکتے۔ کچھ تو عوامل یقیناً اندرونی ہوتے ہیں جو مقامی قبائل کو یا افراد کو موبلائزیشن پر اکساتے ہیں۔ یہاں ہم ان شواہد کو تفصیلی اور ترتیب وار انداز میں دوبارہ نہیں لکھ سکتے (اگرچہ ان کا ایک مجموعی خاکہ نقشہ نمبر ایک میں دے دیا گیا ہے)۔ تاہم یہ واضح ہے کہ نئی تحریک مزاحمت نے 2002 سے سست رفتاری سے جڑ پکڑنا شروع کر دیا تھا۔ شواہد بتاتے ہیں کہ نئی مزاحمتی تحریک کے آغاز کے سالوں میں طالبان کو اپنے حمایتیوں کو دوبارہ موبلائز کرنے کے حوالے سے خاصی مشکلات کا سامنا تھا، یا یوں کہہ لیں کے انہیں بھرتی کے لیے نئے ممبر میسر نہیں آ رہے تھے۔ (172) دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ طالبان کا بطور سنجیدہ فوجی طاقت ابھار، چاہے اس کی قیادت لوگوں کو ری موبلائز کرنے کے مشن پر جاذم بھی کیوں نہ ہو، کوئی منطقی نتیجہ نہیں تھا۔ (173) تاہم محسوس یہی ہوتا ہے کہ طالبان نے کسی نہ کسی طرح کامیابی سے ملک میں موجود قیادت کے خلا کو بھرنے میں کامیابی حاصل کر ہی لی۔

6.2۔ طالبان اور کمیونٹی موبلائزیشن

متعدد وجوہات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مزاحمت کے حوالے سے موبلائزیشن کی دیگر ہیئتوں کی نسبت افغانستان میں کمیونٹی موبلائزیشن کا سبب وہاں اختیار کی جانے والی پالیسیاں تھیں۔ ان میں سے کچھ وجوہات تو انتہائی واضح ہیں......2006 کے بعد طالبان کے حق میں کمیونٹی موبلائزیشن ایساف افواج اور افغان حکومت کے لیے پریشان کن تھی۔ اس میں بالقوۃ اس امر سے انکار نظر آتا ہے جس کا ذکر بون بیانیے میں تھا اور جس کے مطابق کرزائی حکومت کو ملک کی جائز حکومت کہا گیا تھا جسے عوام کی حمایت حاصل تھی۔ شروع میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا تاہم جب حکومت مخالف موبلائزیشن میں بڑھوتری کے واضح شواہد سامنے آ گئے تو معاملے کی تفتیش کی جانے لگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ حقیقت واضح تھی کہ کمیونٹی موبلائزیشن طالبان کے حق میں تھی؟ ایک سٹڈی اس حوالے سے کی گئی جو ظاہر کرتی

ہے کہ ایساف اور اتحادی فوجوں کے آپریشن سے جو شہری ہلاکتیں ہوئیں ، وہ اہم ترین فیکٹر بنیں جو کمیونٹی کو طالبان کے حق میں لے گئیں۔ (174)

عام شہریوں کی یہ ہلاکتیں پشتون ولی بدلے کی روایت کو مہمیز دینے کا سبب بنیں اگرچہ اس کی شدت کا تخمینہ دیا جانا مشکل ہے۔ کچھ دیگر مبصرین کا خیال ہے کہ طالبان کے پھیلاؤ میں مقامی قبائل کے باہمی جھگڑوں نے زیادہ اہم کردار ادا کیا جنہیں طالبان نے اپنے حق میں استعمال کیا اور اس حوالے سے بھی کافی سے زیادہ شواہد ہیں جو یہ مبصرین پیش کرتے ہیں۔ درج بالا وجوہات بجا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ طالبان کے حق میں لوکل موبلائزیشن کا عمل نہایت پیچیدہ ہے۔ اس میں قبائل کے ان بڑوں کے فیصلے بھی اہم تھے جو طالبان کے حق میں اس لیے دیے گئے کہ وہ طالبان کے دوبارہ طاقت میں آنے کے امکان کو قوی سمجھتے تھے۔ (175)

اس حوالے سے زیادہ تر دستیاب شواہد روایتی نوعیت کے ہیں......جن میں وہ کہانیاں بھی شامل ہیں جو ان لوگوں نے سنائیں جو افغانستان چھوڑ آئے، سیاحوں نے بتائیں، میڈیا اور ملٹری رپورٹس کی صورت میں سامنے آئیں یا سفارتی حلقوں سے ملنے والی وہ رپورٹیں شامل تھیں جو کسی طرح مشتہر ہوگئیں۔ یہ زیادہ تر شواہد ان علاقوں سے آئے جہاں فوجی اور تعمیر نو کے حوالے سے سرگرمیاں جاری تھیں اور یہ وہ علاقے تھے جہاں آبادی بہت زیادہ تھی اور سیاحوں کی اکثریت جن علاقوں کے دورے کر رہی تھی۔ (176) اس سیکشن میں جس چیز کو ہم کمیونٹی موبلائزیشن کہہ رہے ہیں اس سے مراد محض طالبان کی حمایت نہیں تھی بلکہ ان کی جانب سے فعال انداز میں لڑائی میں شرکت ہے۔

طالبان کے حق میں کمیونٹی موبلائزیشن کی حرکیات سے متعلق جو شواہد دستیاب ہیں وہ مختلف فیکٹرز کی نشاندہی کرتے ہیں، جن کی پیمائش فی الوقت ناممکن ہے۔ پہلے فیکٹر کے حوالے سے سیکشن 5.4 میں بات کی گئی ہے...... کمیونٹی موبلائزیشن حقیقت یا مفروضہ، مخصوص کمیونٹیز کے لیے جن کا تعلق حکومت سے تھا یہ ایساف افواج کے لئے بہت بڑا خطرہ تھی۔ یہاں کیس سٹڈی کے طور پر وسطی شمالی ہلمند کے قبائل علیزئی کی مثال پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جن میں یہ یقین محکم تھا کہ 2006 میں وہاں جو برطانوی فوجی تعینات کیے گئے تھے اگر انہوں نے اپنے قدم جمانے ہیں تو انہیں پوست کے کھیتوں کو مکمل طور پر ختم کرنا ہوگا۔ اس

وقت یہ قبائل طالبان کے مقاصد کے لیے نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے مگر آج صورت حال یہ ہے کہ وہ طالبان کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔ دوسری مثال ژہری اور پنجوئی کے نورزئی قبائل کی ہے جنہیں بارڈر پولیس سے خطرات تھے جو ان کے مخالف قبیلے اچکزئی کی نگرانی میں کام کر رہی تھی۔ اسی طرح کی ایک مثال کورینگل اور وادی کنڑ کے پشئی زبان بولنے والی کمیونٹی کی ہے، امریکی افواج کی تعیناتی کی وجہ سے ان کے ٹمبر کی سمگلنگ کے بزنس کو خطرہ تھا۔(177) ان مثالوں کو دیکھتے ہوئے یہ فرض کر لینا آسان نظر آتا ہے کہ مزاحمت میں شامل ہونے کے حوالے سے ان کے پاس مضبوط موٹی ویشن موجود تھی۔

پہلے بھی ذکر ہوا اور یہاں بھی اس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کمیونٹی موبلائزیشن صرف طالبان ہی کے حق میں نہیں ہوئی۔کمیونٹی موبلائزیشن کے حوالے سے افغانستان میں یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ کہاں سے ایک کمیونٹی شروع ہوتی ہے اور کہاں جا کر وہ ختم ہوتی ہے اور دوسری شروع ہو جاتی ہے۔ ریاستی مداخلت، تمیں سال سے جاری جنگی صورت حال، سماجی اور معاشی تبدیلیوں نے کمیونٹیز کی پاورز اور کردار کو کمزور کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ شمالی میدانوں اور کچھ دیگر افغان علاقوں میں موجود وہ کمیونٹیز جو زیادہ مربوط ہیں، ان کے بڑے یا سابقہ کمانڈر اکثر وبیشتر تنازعات میں حصہ لیتے ہیں، ان کی شمولیت زیادہ تر حکومتوں کی طرف سے ہوتی ہے جبکہ کچھ طالبان کی طرف سے شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح کہ کیسز کو دیکھیں تو یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کمیونٹیز کے بڑے اپنے مفادات کے لیے ان جنگوں میں شامل ہوتے ہیں یا کہ کرشماتی مقامی لیڈر اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو اپنے ساتھ مربوط رکھنے کے لیے کمیونٹیز کو موبلائز کرتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں پہلی قسم کے لوگ فعال نظر آتے ہیں۔(178)

6.3۔ طالبان کی حمایتی غیر فوجی کمیونٹی

یہاں ان قبائل اور کمیونٹیز کا ذکر بھی ضروری ہے جو فعال انداز میں لڑائی کے عمل میں تو شامل نہیں ہوتیں مگر وہ مزاحمت کی تحریک کی حامی ہیں۔ ان سے مزاحمت کاروں کو آنے جانے کی سہولت، پناہ، خوراک، بھرتیوں کے عمل میں معاونت اور خفیہ معلومات ملتی رہتی ہیں۔ ان کمیونٹیز کا کردار بعض دفعہ ان کمیونٹیز سے بھی زیادہ اہم ہوتا ہے جو طالبان کے شانہ بشانہ

لڑ رہی ہوتی ہیں۔ جز وقتی لڑاکا کمیونٹیز کو ابتدا میں حکومت کے خلاف کارروائیوں میں کچھ کامیابیاں بھی ملیں تاہم جب ایساف افواج کی زیرِ نگرانی وہاں باقاعدہ پولیس اور آرمیز قائم ہوئیں تو یہ کمیونٹیز غیر فعال ہو گئیں۔ یوں یہ کہنا بجا ہوگا کا ان کمیونٹیز کا فوجی اثر محدود ہی رہا۔

اس کے برعکس طالبان کی حمایت کرنے والی غیر فوجی کمیونٹیز نہ صرف پھیلی ہیں بلکہ ان کا کردار بھی اس حوالے سے اہم رہا کہ ان کی بدولت نئے منظّم گوریلا دستوں کو اپنا محفوظ ٹھکانہ ملا جہاں سے وہ فعال انداز میں جنگی کارروائیوں میں شامل ہوتے رہے۔ یہ حمایت چونکہ خفی نوعیت کی ہوتی ہے، اس لیے اس کے بارے میں زیادہ معلومات بھی دستیاب نہیں۔ اس کا اندازہ صرف اسی امر سے لگانے کی کوشش کی جاسکتی ہے کہ بعض ایسے علاقوں میں بھی طالبان آپریٹ کرنے میں کامیاب رہے جہاں ایساف اور افغان سکیورٹی فورسز کی موجودگی اچھی خاصی تعداد میں تھی۔2010 کے آغاز میں جب امریکی فوجیں ہلمند کے علاقے مرجہ میں داخل ہوئیں تو وہاں لڑاکا طالبان کا ایک زیرِزمین دستہ ان کا منتظر اور فعال تھا اور یہ لوگ اس قابل اس وجہ سے ہوئے کہ مقامی دیہاتیوں کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ ہلمند کے باقی علاقوں سے بھی برطانوی فورسز کی جانب سے یہ اطلاعات ملیں کہ دیہاتی لوگ طالبان کی حمایت کرتے ہیں۔(179)

اس خفی حمایت کا یہاں ذکر اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ کوئی مفروضہ فارمولیٹ کیا جا سکے کہ کس طرح کمیونٹیز آہستہ آہستہ مزاحمت کاروں کی حامی بنیں۔ یہ بتا پانا تو شاید مشکل ہو کہ کس طرح یہ کمیونٹیز تنازع کا حصہ بنیں تاہم2001 کے بعد جو جنگی صورت حال بنی اس میں کمیونٹیز کا اس پورے تنازع کا حصہ بننا قابل فہم ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف بھی ہوا ہے کہ کچھ کمیونٹیز کے بڑوں نے کابل کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے طالبان کا ساتھ دیا۔(180) مقامی دشمنیوں نے بھی اس حوالے سے اپنا کردار ادا کیا، ان علاقوں میں جہاں مخالف کمیونٹی کو سکیورٹی سیٹ اپ میں نمایاں مقام ملا، کچھ کمیونٹیز نے کابل کو اپنے تحفظ کے حوالے سے خدشات سے آگاہ کیا اور متنبہ بھی کیا کہ ان کے پاس متبادل راستہ بھی موجود ہے۔(181) علاوہ ازیں طالبان کی شیڈو حکومت نے انصاف کی جس شرط کو شدت سے لاگو کرنے کا عہد کر رکھا تھا وہ بھی کچھ کمیونٹیز کو طالبان کیمپ میں لے جانے کا سبب بنا۔(182)

یہ وہ سائیکل تھا جو کمیونٹیز کوتحریک مزاحمت میں ملوث کرتا گیا۔ طالبان نے قبائل کے بڑوں کی تمناؤں اور خدشات کو بھی مہارت سے استعمال کیا اور انہیں یقین دلایا کہ اگر وہ ان کا ساتھ دیں گے تو ان کے لوگوں پر ان کا ہی اختیار رہے گا اور ان کے مزاحمت کاروں پر ان کا ہی حکم چلے گا۔ علاوہ ازیں طالبان کی دوبارہ آمد نے جس استبداد کو جنم دیا خاص طور پر مزاحمت کے آغاز میں جب نیٹو آرمیز کو زمینی حقائق کا زیادہ ادراک نہ تھا، اس نے بھی معاملات کو بگاڑنے میں اپنا بھر پور کردار ادا کیا۔ جیسا کہ 1978 میں ہوا ، اگرچہ اس بار شدت میں کچھ فرق تھا۔ سکیورٹی فورسز کے بلنڈر اور فارن اور افغان آرمڈ فورسز کی جانب سے مشتبہ افراد پر ظلم وتشدد جیسے عوامل نے ملکر مقامی سطح پر مزاحمت کاروں کی بھرتی کے عمل کو تیز تر کر دیا۔(183)

6.4۔ غیر ملکی افواج کا کردار

تاریخی تناظر میں دیکھیں تو آج تک جتنی بھی بیرونی فوجوں نے افغانستان میں مداخلت کی ایساف افواج ان سب سے زیادہ مہذب اور اچھے رویوں کی حامل رہی۔ اگرچہ اس کے فوجیوں نے کچھ غلطیاں بھی کیں اور اختیارات سے تجاوز بھی کیا جس کی وجہ سے سالانہ بنیادوں پر سینکڑوں عام شہریوں کی ہلاکتیں ہوئیں۔ تاہم ان ملٹری آپریشنز کے سائیڈ افیکٹ محدود رہے۔ افغانستان یا کسی بھی ملک کو تاریخی پس منظر میں رکھ کر دیکھیں تو افغان سکیورٹی فورسز کا رویہ بھی زیادہ غیر مہذبانہ نظر نہیں آتا، اور پولیس کے مقابلے میں تو ان کا رویہ کہیں بہتر رہا ہے۔(184) بے پناہ فوجی طاقت، بڑی فوج ، بے تحاشاہ فائر پاور کے باوجود ایساف افواج کا رویہ محتاط رہا اور آپریشنز میں ان کی جانب سے کوشش کی گئی کہ عام شہریوں کا زیادہ جانی نقصان نہ ہو، تاہم اس کے باوجود کچھ واقعات ضرور ہوئے جنہیں اس حوالے سے لازما پولیٹیسائز کیا گیا کہ بہر حال یہ فارن فورسز نے ایک ملک پر قبضہ کر کے کیے تھے اور یوں کمیونٹیز کی ایک بڑی تعداد کی ہمدردیوں سے یہ افواج محروم ہوتی گئیں۔ خاص طور پر اس حوالے سے کافی شواہد موجود ہیں کہ گھر گھر تلاشی کے دوران فوجیوں کا رویہ گھر کے بزرگوں اور عام شہریوں سے بہت تند ہوتا تھا، آپریشنز کے دوران افغان پراپرٹیز کو جو نقصان پہنچا اور ترقی پسند روایات کو (عورتوں کی ایمپاورمنٹ) زبردستی لاگو کرنے کے حوالے سے جو شور مچا،

MashalBooks.org

ان کی وجہ سے فارن فورسز اور مقامی آبادی کے درمیان فاصلے بڑھتے گئے۔[185]

اس سوال کا تسلی بخش جواب بھی ابھی تک نہیں مل سکا کہ کیوں ان شہری ہلاکتوں کی گونج افغان معاشرے میں زیادہ شدت سے پیدا ہوئی جو ایساف افواج کے آپریشنز کے دوران ہوئیں جبکہ اس کے مقابلے میں مزاحمت کاروں نے جانی حوالوں سے افغان شہریوں کو زیادہ نقصان پہنچایا اور ان کے ہاتھ سے کہیں زیادہ جانیں گئیں۔ اس حوالے سے ان لوگوں کے مشاہدے کو بیان کیا جاتا ہے جن کی گاہے گاہے افغان پبلک سے باتیں ہوئیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ افغان عوام کا نیٹو اور خاص طور پر امریکی افواج کے حوالے سے خیال ہے کہ یہ بہت بڑی فوجی طاقت ہیں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے بھی یہ خاصے ترقی یافتہ ہیں اس لیے ان سے زیادہ سخت معیارات کی توقع کی جاتی ہے جبکہ ان کے مقابلے میں جو لوگ ہیں وہ دورِ قدیم کی جنگی کارروائیاں کر رہے ہیں اور ان سے یہ توقع فضول ہے۔ ایک دوسرا مفروضہ اس حوالے سے یہ گردش میں ہے کہ افغان عوام یہ سمجھتی ہے کہ اس ساری جنگ کی وجہ بیرونی فورسز کا افغانستان پر حملہ ہے، اور یوں وہ مزاحمت کاروں کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکتوں کا ذمہ دار بھی انہی بیرونی قوتوں کو سمجھتی ہیں۔ ایساف افواج نے متعدد ایسے اقدامات کیے ہیں کہ آپریشنز کے دوران کم سے کم شہری ہلاکتیں ہوں اور اس شرح میں اب خاصی کمی بھی ہوئی ہے (دیکھیے ٹیبل نمبر 3) تاہم اس کے سیاسی مضمرات کے حوالے سے بے یقینی کا پہلو ابھی تک موجود ہے۔

اس حوالے سے طالبان کی پوسٹ2002 تنظیمی ساخت میں آنے والی جدت بھی ایک فیکٹر ہے، جو اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ کیونکر طالبان کے نظریات افغانوں میں زیادہ شدت کے ساتھ گونجتے رہتے ہیں اور یہ کہ کابل میں موجود اس وقت جو حکومت ہے وہ بیرونی طاقتوں کی پٹھو ہے۔ طالبان کی ایک مختصر ٹیم (جو عموماً چار یا پانچ لوگوں سے زیادہ نہیں ہوتی) وہ گاؤں گاؤں گھومتی رہتی ہے اور اپنے نظریات کا پرچار کرتی ہے۔ یہ بھی شواہد ملے ہیں کہ اس حوالے سے طالبان نے مبلغین کو بھی تعینات کر رکھا ہے اور ملاؤں کو بھی اپنے پروپیگنڈے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔[186]

ٹیبل نمبر 3: شہری ہلاکتوں کی وجوہات 10-2006

	2010	2006	2007	2008	2009
ایساف اور افغان حکومتی فورسز	230	629	828	596	223
مزاحمت کار	699	700	1160	1630	920
نامعلوم وجوہات اور کراس فائر نامعلوم	194	130	180	128	

ماخذ UNAMA

6.5۔ طالبان اور انفرادی موبلائزیشن

ہر مزاحمتی تحریک جو تنظیمی ڈھانچے کی حامل ہوتی ہے اسے کسی حد تک افراد کی ضرورت برائے بھرتی رہتی ہے، چاہے ایسا کمیونٹی کی سطح پر ہو یا نہ ہو۔ یہ حقیقت مبرہن ہے کہ 2002 کے بعد سے طالبان اپنی تنظیم میں لوگ بھرتی کر رہے ہیں۔ طالبان لیڈر شپ کسی قسم کی قبائلی، نسلی تفریق کو نہیں مانتی اور ایک معقول مگر روبہ عروج بیوروکریٹک ڈھانچے کو قائم رکھے ہوئے ہے جو پاکستان سے آپریٹ کرتا ہے۔ یہ حقائق کے طالبان ان علاقوں میں بھی آپریٹ کر رہے ہیں جہاں انہیں کمیونٹی کی سپورٹ یا تو بہت کم حاصل ہے یا ہے ہی نہیں، اس مفروضے کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اکثر کمیونٹیز طالبان کی مخالف نہیں ہیں تاہم اس بات کے بھی شواہد نہیں ہیں کو وہ ان کی حمایتی ہیں۔

اس حوالے سے کافی بحث ہوتی آ رہی ہے کہ طالبان کی افرادی قوت کتنی ہے اور اس میں کیا تبدیلیاں آ رہی ہی۔ تاہم ہم یہاں اس حوالے سے بحث نہیں کر رہے۔ اس سے زیادہ دلچسپ عنصر وہ تخمینہ ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ طالبان میں بھرتی ہوں۔ اور خاص طور پر اس حوالے سے تو اور بھی زیادہ دلچسپی کا پہلو موجود ہے کہ طالبان میں بھرتی ہونے والوں کی اکثریت نوجوان لڑکوں پر مشتمل ہیں جو ابھی کم سن ہیں۔ ایساف کے ذرائع کا کہنا ہے کہ بیس سال سے اوپر لوگوں کی بھرتی بہت کم ہے اور تیس سال سے زیادہ عمر کی بھرتیاں تو کہیں کم ہیں۔ (187) اس حوالے سے اختلافی آرا ہیں کہ وہ کیا فیکٹرز ہیں جو ان جوان لڑکوں کو طالبان کی طرف دھکیل رہے ہیں...... اس حوالے سے کوئی منظّم تحقیق سامنے نہیں اور اگر ہوئی بھی ہے تو اسے عام نہیں کیا گیا ہے۔ تاہم کچھ شواہد

اس حوالے سے رہنمائی کرتے ہیں اگر چہ ان شواہد کی روشنی میں جو عوامل سامنے آتے ہیں وہ حتمی نہیں ہیں۔

پرانے طالبان

مزاحمت کی تحریک کو چلانے کے لیے جو اوریجنل کوشش شروع ہوئی وہ تو پرانے طالبان نیٹ ورک کو دوبارہ فعال کرنے کی صورت میں ہوئی، خاص طور پر ان لوگوں کو جمع کر کے جو طالبان حکومت میں شامل تھے۔1990 میں طالبان کا دعوی تھا کہ ان کے پاس 30000 کے قریب لوگ ہیں، اس میں تو خیر مبالغہ آرائی کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ یہ تو واضح ہے کہ جتنے بھی حمایتی اس وقت ساتھ تھے ان کے سامنے مقاصد تھے اور ہوا کا رخ دیکھ کر وہ طالبان کے ساتھ شامل ہو رہے تھے اور ان کی اکثریت2001 کی بعد کی مزاحمت میں شریک نہیں ہوئی۔
اگر چہ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ طالبان نے اپنے پرانے ممبران سے بہت رابطے کیے اور انہیں ترغیب دی کہ وہ دوبارہ تنظیم کو جوائن کریں تاہم اکثریت جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو طالبان دور میں اہم عہدوں پر فائز تھے، انہوں نے کوئی گرمجوشی نہ دکھائی۔[188] یہ شواہد مزاحمت کے ابتدائی دنوں کے علاوہ درست معلوم پڑتے ہیں، مثال کے طور پر 2010 تک کندوز کے سابق اہم طالبان نے تنظیم کو دوبارہ جوائن نہیں کیا تھا۔[189]
ان وجوہات کا تعین یقیناً مشکل امر ہے کہ کیوں پرانے طالبان دوبارہ اس تحریک میں شامل نہ ہوئے۔ حتی کہ جن پرانے طالبان کے انٹرویوز سامنے آئے ہیں ان سے بھی کوئی تسلی بخش جواب سامنے نہیں آتا۔[190] تاہم ایک بات جو آسانی سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ابھرتی حکومت کا ساتھ دینا ور ایک آغاز کرتی بغاوت کی حمایت کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ گوریلا وار میں شامل ہونا ایک تکلیف دہ اور مشکل حقیقت ہے کہ اس میں جان جانے کا خطرہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور جوکھم بھی بہت ہوتا ہے۔ جن پرانے طالبان نے تنظیم کو دوبارہ جوائن نہیں کیا یا حکومت کی حمایت میں گئے ان کی بڑی اکثریت جہاں دیدہ مردوں پر مشتمل ہے جن پر عائلی ذمہ داریاں بھی ہیں، برعکس ان لڑکوں کے جن پر گھر کی کوئی ذمہ داریاں نہیں اور جنھوں نے طالبان تحریک کا ساتھ دیا۔ 90 کی دہائی میں بھی جب ان لوگوں نے طالبان کو جوائن کیا تو اس وقت طالبان ایک ابھرتی طاقت تھے جو اقتدار پر قابض ہونے کی

صلاحیت رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت لڑاکا طالبان کی اکثریت ان جوان لڑکوں پر مشتمل ہے جن کی عمریں پندرہ سے پچیس سال کے درمیان ہیں اور جونیئر کمانڈروں کی عمریں اس مزاحمت کے شروع میں تیس کے پیٹے میں تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور طالبان کمانڈروں کے موت کے ساتھ یہ اوسط عمر بھی کم ہوئی ہے ۔ ایساف کے ذرائع کے مطابق 2010 میں جونیئر کمانڈروں کی اوسط عمر 19 سے 25 سال کے درمیان تھی۔ (191)

اس کے برعکس 2010 کے تخمینے کے مطابق ٹاپ لیڈر شپ پرانے اور عمر رسیدہ طالبان پر مشتمل ہے۔ 2002 کے بعد صورت حال یہ بنی کہ جو سینئر پرانے طالبان کمانڈر تھے وہ سیاسی کارکنوں میں ڈھل گئے۔ تاہم ان سیاسی رنگ اختیار کرنے والے کمانڈروں کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو طالبان منحرفین سے بات کرتے ہیں، کمیونٹیز کو قائل کرتے ہیں اور 'آزاد کرائے گئے' علاقوں کا چارج بھی سنبھالتے ہیں۔ طالبان کے یہ سیاسی کارندے ابتدا میں مذہبی مبلغین سے زیادہ کچھ نہیں تھے، لیکن طالبان کے لیے مذہب اور سیاست مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ (192)

معاشی عوامل

دولت اپنا کردار ادا کرتی ہے، کم از کم کچھ کرنے کے قابل بنانے کے حوالے سے تو اس کا کردار ہے ہی۔ اگر فنڈز نہ ہوں تو کوئی بھی سرگرمی جاری رکھ پانا مشکل ہوتا ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ مالی معاملات تنہا ہی سماجی یا سیاسی عوامل کی بنیاد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سیکشن 3.5 اور 4.3 میں بحث کی گئی کہ معاشی عوامل کو سیاسی اور سماجی عوامل کے ساتھ ہم آہنگ کر کے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ طالبان کی جانب سے ہزاروں نوجوانوں کو بھرتی کرنے میں کامیابی کی مقبول ترین تشریح معاشی فیکٹر کی شکل میں کی جاتی ہے۔ وہ تمام لوگ جو معاش کو مزاحمتی تحریک کی بنیاد مانتے ہیں ان کی تھیوری ہے کہ اس مزاحمت کی تشریح کو پاکستان کی آرمڈ فورس اور کثیر قومی متشدد گروہوں کے استعانت کے حوالے سے دیکھا جانا چاہیے۔ مختلف مبصرین کی آرا اس حوالے سے البتہ مختلف ہیں کہ پاکستان کی آرمڈ فورسز کا کردار اس تحریک کے جڑ پکڑنے میں زیادہ ہے یہ غیر ملکی عسکریت پسند گروہوں کا۔ تاہم یہاں یہ کہنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اگر پیسوں سے کرائے کی مزاحمتی تحریک کو جنم دیا جا سکتا تو ہمسایہ

MashalBooks.org

ملک میں بے روزگاروں اور غریبوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے، وہاں کیوں اس طرح کی تحریکیں برپا نہیں کی جاسکیں۔ اس لیے صرف یہ وضاحت کافی نہیں ہے۔

تاہم کچھ شواہد ایسے موجود ہیں جو اس مفروضے کی صحت کو ثابت کرتے ہیں...... کچھ صحافیوں کی طرف سے کیے گئے انٹرویوز خاص طور پر2009-10 کے دوران اقوام متحدہ کی کچھ ایجنسیوں کی طرف سے کیے گئے متعدد انفارمل سرویز...... جو یہ بتاتے ہیں کہ کئی لوگ اس جنگ میں اس لیے کودے کہ ان کو معاشی بدحالی کا سامنا تھا اور ان کے پاس مواقع کی کمی تھی۔ یہ شواہد کسی حد تک دلالت کرتے ہیں کہ معاشی عامل نے کئی لوگوں کو طالبان کو دوبارہ جوائن کرنے پر مجبور کیا تاہم ان انٹرویوز کے حوالے سے ایک حقیقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ یہ غیر جانبدارانہ نہیں تھے اور تعصّبات کا پہلو موجود ہے۔ طالبان فائٹر انٹرویو دینے کا حوالے سے شاذ ہی رضامندی دکھاتے ہیں اور جو لوگ انٹرویو دینے پر مائل بھی ہوئے وہ ان دور دراز علاقوں سے متعلق تھے جہاں بغاوت کی شدت کم تھی اور جہاں طالبان کا منظّم تنظیمی ڈھانچہ بھی موجود نہیں تھا(جیسا کہ شمال مشرق میں موجود بغلان کا علاقہ اور مغرب میں موجود ہرات کا علاقہ)۔(193) علاوہ ازیں صحافیوں کی پہنچ بھی نظریاتی اور کمٹڈ طالبان اہلکاروں کی نسبت موقع پرست اور کرائے کے سپاہیوں کا کردار ادا کرنے والے طالبان تک تھی یا پھر ان صحافیوں کی پہنچ تب ان طالبان کمانڈرز تک ہوئی جب طالبان نے اپنی نئی حکمت عملی کے تحت اپنے کمانڈروں کو میڈیا سے بات کرنے کے عمل کی حوصلہ افزائی کی۔

حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں طالبان لیڈروں کے جو انٹرویو سامنے آئے ان کا مجموعی نتیجہ سامنے رکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اہلکاروں میں معاشی مواقع کا حصول ان کی لڑائی کے جذبے کا کوئی بڑا اور اہم محرک نظر نہیں آتا۔ ان انٹرویوز سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ طالبان کمانڈر جہاد کے تصور کے ساتھ زیادہ وفادار نظر آتے ہیں۔(194) مزید براں خود ایساف کے سورسز پرائیویٹ طور پر اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ جن طالبان قیدیوں کی تفتیش انہوں نے کی، اس سے جو نتائج نکلے وہ اس مفروضے سے مختلف تھے۔ ان کی تفتیش سے یہ نتائج نکلے کہ زیر حراست طالبان رقم سے زیادہ جذبہ جہاد اور مذہبی احساسات کی وجہ سے لڑ رہے تھے۔(195) مزاحمت کاروں کے جو ڈائریکٹ انٹرویوز سامنے آئے وہ بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ معاشی مفادات ثانوی اہمیت کے حامل تھے۔(196)

MashalBooks.org

کچھ عمومی وجوہات بھی ہیں جو معاشی محرومیوں کو مزاحمت کا سبب قرار دینے کے حوالے سے متذبذب کرنے والی ہیں۔ جس طرح طالبان میدان جنگ میں لڑے انہیں دیکھ کر قطعا ایسا نہیں لگتا کہ یہ لوگ معاشی اغراض کے حصول کی خاطر لڑ رہے ہیں...... طالبان آئیڈیالوجی کے حوالے سے وہ کچھ بھی تصورات رکھتے ہوں تاہم وہ ایساف فوجی افسران جو جنوب میں تعینات تھے وہ اپنے دشمن کی بہادری اور قربانی کے جذبے سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کرائے کے فوجی اس جذبے کے ساتھ میدان جنگ میں نہیں لڑتے۔ طالبان کا جانی نقصان جو ایساف سورسز کے مطابق 2007 کے بعد سے پانچ ہزار سے سات ہزار سالانہ تک تھا (اگرچہ اس میں کچھ مبالغہ ہے) اور جسے خود طالبان کے ذرائع بھاری نقصان قرار دیتے ہیں، وہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنے عزائم کے ساتھ کتنے مخلص ہیں۔ ایساف کے اعداد و شمار جو میڈیا کو دیے گئے ان میں طالبان کے ہلاک شدگان، زخمیوں اور پکڑے جانے والوں کو زیادہ ظاہر کیا جاتا ہے، خاص طور پر اس وقت تو یہ اعداد و شمار اور بھی مبالغہ آمیز لگتے ہیں جب کئی قیدیوں کو ٹھوس شواہد نہ ملنے کی بنیاد پر رہا کر دیا گیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو لوگ پکڑے گئے وہ حقیقی طالبان نہیں تھے جبکہ حقیقی طالبان موت تک لڑنے کے اصول پر جنگ میں شامل رہے اور یہ حقیقت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ طالبان کرائے کے سپاہیوں پر مشتمل فورس نہیں ہیں۔ (197)

جہاں ایک طرف طالبان کی طرف سے معاشی وجوہ کی بنا پر موبلائزیشن کے حوالے سے شواہد کم دستیاب ہیں دوسری طرف یہ ثبوت بھی ملے ہیں کہ افغان آبادی کا غریب ترین طبقہ 2001 کے بعد موبلائزیشن کے لیے کرائے کے سپاہیوں کے طور پر دستیاب تھا، چاہے وہ کسی بھی جانب سے لڑائی میں شامل ہوئے۔ کیا یہ سوال نہیں اٹھتا کہ وہ کیا چیز تھی جو جوان افغانوں کو پولیس میں بھرتی کے لیے اکسانے کا باعث بنی؟ جن لوگوں کو پولیس میں لیا گیا ان کو یہی لالچ دیا گیا کہ ان کی آمدنیوں میں اس سے اضافہ ہوگا۔ سڑکوں پر سفر کرنے والوں سے غیر قانونی ٹیکسوں کی وصولی، اسمگلنگ، مافیاز کو تحفظ دینا، پولیس کی محدود تنخواہ کے ساتھ وہ اضافی آمدنی کا ذریعہ تھی جو زیادہ تر پولیس میں بھرتی ہونے والے جوانوں کو اس محکمے کی طرف لے آئی اور شواہد بتاتے ہیں کہ پولیس اہلکاران تمام سرگرمیوں میں ملوث رہے ہیں۔ (198) یہی نکتہ نظر افغان نیشنل فورس پر بھی لاگو ہو سکتا ہے۔ اگرچہ افواج کے حوالے سے

MashalBooks.org

اعداد وشمار کی دستیابی مشکل ہے تاہم یہ واضح ہے کہ فوج میں بھرتی ہونے والے زیادہ تر جوانوں کا تعلق انہی غریب علاقوں سے تھا۔ یوں یہ کہنا بجا ہوگا کہ پولیس اور آرمی میں جو لوگ بھی بھرتی ہوئے ان کا متمح نظر اپنی آمدنی میں اضافہ تھا۔ آرمی کی نوکری سے ملنے والی تنخواہیں دیہی خاندانوں کی آمدنی کا بنیادی ترین ذریعہ بنیں۔(199)

نامکمل اعداد وشمار کی وجہ سے یہ تخمینہ پیش کرنا مشکل ہے کہ معاشی لالچ طالبان فورسز یا حکومتی افواج میں بھرتیوں کے حوالے سے کس تناسب سے ہوا مگر سماجی اصطلاح میں یہ کہنا کہ حکومتی افواج جدت اور ترقی پسندی کی نمائندہ ہیں جبکہ طالبان قدامت پرست فورس ہیں، حقیقت کو توڑ مڑور کر پیش کرنے کے مترادف ہوگا۔ دستیاب شواہد اس مفروضے کی بھی نفی کرتے ہیں کہ طالبان افواج کرائے کی بھرتیوں پر مشتمل ہیں جو ایسی محبّ وطن پولیس اور فوج سے لڑ رہی ہیں جو قوم کا دفاع کررہی ہیں اور جارحیت کے خلاف لڑ رہی ہیں۔ بلکہ بظاہر دیکھا جائے تو طالبان کے مقابلے میں افغان حکومتی فوج زیادہ کرائے کے سپاہیوں پر مشتمل فورس نظر آتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا کہ کسی بھی اندرونی جنگ میں، جہاں حکومت کے خلاف تحریک مزاحمت چل رہی ہو، خاص طور پر تنازع کے آغاز میں ، حکومت کی حمایت کرنا باغیوں کی حمایت کرنے سے کہیں آسان امر ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابتدا میں باغی قوتیں تنہائی کا شکار ہوتی ہیں، کیونکہ حکومت کی سائیڈ لینے کی صورت میں مالی ومعاشی مواقع زیادہ ملتے ہیں۔(200) علاوہ ازیں حکومت کے پاس یہ موقع بھی ہوتا ہے کہ وہ ترقیاتی کام کرا کے پورے ملک سے اپنی حمایت میں اضافہ کرسکتی ہے ، یہاں تک کہ طالبان کے ہمدرد بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس سہولت کی عدم دستیابی تحریک کو کمزور کرنے کا سبب بنی ہے۔(201)

ملا

بہت سے شواہد اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ 03-2002 تک طالبان کمانڈروں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جن کا تعلیمی پس منظر مذہبی اداروں سے متعلق تھا(دیکھیے باکس نمبر 4)۔ فگر نمبر چھ میں مختلف صوبوں میں دیہی علاقوں کی شرح خواندگی کو ظاہر کیا گیا ہے اور

MashalBooks.org

اس کا موازنہ طالبان کی مختلف صوبوں میں موجودگی سے کیا گیا ہے۔ یہاں پر ایک متوازی میچ نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر صوبہ قندھار کو دیکھیں جہاں سے طالبان نے آغاز کیا، ان کا زور ان اضلاع میں زیادہ تھا جہاں شرح خواندگی بہت پست تھی۔ پست دیہی شرح تعلیم اور ملاؤں کے زیادہ اثر و نفوذ کے درمیان عموماً تعلق فرض کر لیا جاتا ہے جس کی بنیاد یہ خیال ہے کہ جن دیہات میں سکول اور ٹیچر نہیں ہوتے وہاں معلومات کا واحد سورس ملا آ بچتے ہیں۔ جو بحث ہم یہاں کرنے جا رہے ہیں وہ اس مفروضے کی بنیاد پر نہیں کہ طالبان لازماً ناخواندہ ہوں گے، بلکہ ہماری دلچسپی کا موضوع یہ ہے کہ طالبان کے پھیلاؤ اور ملاؤں کے اثرات کے درمیان تعلق دریافت کیا جائے۔

فگر نمبر چھ یہ ظاہر نہیں کرتی کہ ملا طالبان کی طرف سے زیادہ انوالو ہیں، تاہم افغان حکومت اور اقوام متحدہ کے اہلکاروں کی رپورٹس موجود ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ زیادہ تر طبقہ علما طالبان کو سپورٹ کرتا ہے۔ (220) یہاں البتہ یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ تمام ملا طالبان تحریک کے حامی نہیں ہیں۔ افغان حکومت نے بھی مختلف طریقوں اور اداروں کے ذریعے ملا اور علما کی کثیر تعداد کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کی ہے، مثال کے طور پر علما کونسل کی شکل میں انہیں حکومتی انتظام میں شامل کیا گیا۔ طالبان بھی اندرونی طور پر اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت کو علما کی ایک بڑی تعداد کی حمایت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بغاوت کے آغاز میں اس طبقہ علما کے بہت سے افراد کو قتل کیا۔ جنوری 2009 تک علما کونسل کے 150 ارکان میں سے 24 کو طالبان قتل کر چکے تھے۔ (203) طالبان کے حمایتی اور حکومتی اتحادی طبقہ علما کی تعداد کا تعین البتہ بہت مشکل ہے، تاہم یہ امر واضح ہے کہ کوئی بھی ملا کھلے بندوں ان دیہاتی علاقوں میں حکومتی پیغام کو نشر نہیں کر سکا جہاں طالبان مضبوط تھے۔

MashalBooks.org

افغان علما

ملا کی کیٹیگری میں مختلف لوگ آتے ہیں...... سرفہرست شریعت کے عالم، انتہائی پڑھے لکھے لوگ شامل ہیں جبکہ اس کیٹیگری کے آخر میں دیہاتی امام مسجد اور مبلغ شامل ہیں۔ بہت سے نوجوان، تربیت یافتہ اور نیم تربیت یافتہ ملا، تب تک مبلغ نہیں بنے تھے جب تک انہوں نے کسی نہ کسی افغان جنگ میں شرکت نہ کرلی۔ یہی معاملہ زیادہ تر افغان فائٹرز کا بھی ہے۔ اور یہ افغانستان کے حوالے سے ایک نئی پیش رفت ہے۔ اگرچہ کوئی مستند اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں لیکن 1980 میں روسی تخمینے کے مطابق ملک کی آبادی کا تقریبا دو فیصد جنکی تعداد تین لاکھ بنتی ہے طبقہ علما میں شامل تھے۔ 80اور 90 کی دہائی میں افغانستان میں مذہبی تعلیم اور طبقہ علما پیدا کرنے والے اداروں کے عروج کا زمانہ ہے جب سیاسی مقاصد کے لیے اسلام پسند اور جہادی و فلاحی تنظیموں نے کئی مذہبی ادارے قائم کیے۔ اس لیے یہ امر قرین قیاس ہے کہ 2002 میں افغان سماج میں یہ طبقہ دو فیصد سے کہیں زیادہ تعداد میں تھا۔ دیہی علاقوں میں ہر بیس سے تیس لوگوں کے لیے مسجدیں عام نظر آتی ہیں۔ اگرچہ یہ طبقہ سیاسی حوالوں سے متحد نہیں ہے مگر اس امر میں کوئی شک نہیں کہ سماجی طور پر اس طبقے کا حلقہ اثر افغان سماج میں بہت وسیع ہے۔ دیہی مبلغین کا کردار بھی بڑھا ہے کہ وہ خبر سناتے بھی ہیں اور اس کی من مانی تشریح بھی لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ تاریخی تناظر کو سامنے رکھیں تو افغان مذہبی طبقہ قدامت پرست اور کم تعلیم یافتہ رہا ہے جس کی وجہ وہاں موجود غربت ہے۔ 1980 کے بعد مذہبی طبقے کی تعلیم چونکہ پاکستانی مدرسوں میں ہوئی اس لیے ان کا تعلیمی معیار مقامی افغان ملاؤں سے کچھ بلند ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانستان کا مقامی اسلام زوال پذیر ہوا۔ لبرل اور ترقی پسند ملا تو کم سے کم ہی ہوتے گئے۔ حکومت کی کوششیں کہ ریاستی مدارس

MashalBooks.org

میں علما کوٹرین کیا جائے، وہ بھی ناکام رہیں چاہے بات1980 کے بعد کی کریں یا2001 کے بعد کی۔

حقیقت یہ ہے کہ طالبان کی ترجیح رہی کہ اگر کسی جگہ حکومت حمایتی ملا موجود ہوتو اس کو اکھاڑا جائے۔ گاؤں کے بڑوں کے برعکس جو ہزاروں کی تعداد میں جنوبی علاقوں سے ہجرت کر گئے ملاؤں کی تعداد انتہائی کم رہی جو اپنے گاؤں چھوڑ کر گئے ہوں، جو واضح طور پر اس بات کا عندیہ ہے کہ ان ملاؤں کو حکومت سے کچھ زیادہ ہمدردی نہیں تھی۔ (204)

اس حقیقت کی تفہیم کے لیے چنداں زیادہ غوروخوض کی ضرورت نہیں کہ پوسٹ 2001 صورت حال میں ملا کیوں حکومت کے حوالے سے زیادہ پر جوش نہیں تھے۔ اگرچہ طالبان کے دورحکومت میں ان ملاؤں کو مالی طور پر زیادہ فوائد نہیں ملے تھے تاہم ایک حقیقت مبرہن ہے کہ طالبان نے ان کو ایمپاور ضرور کیا تھا۔ طالبان دور میں ملاؤں کو نہ صرف وزارتیں ملیں، بلکہ زیادہ تر نائب وزرا بھی اسی طبقے سے لیے گئے تھے، اس کے علاوہ گورنرز، نائب گورنرز کی اکثریت اور ان کی بڑی تعداد کومختلف اداروں کی سربراہی بھی دی گئی۔ عدلیہ پر تو اس طبقے کی مکمل اجارہ داری تھی۔ مختصرا یہ کہ تمام عہدوں پر طالبان دور میں ملاؤں کا قبضہ تھا۔ جن علما اور ملاؤں کوحکومت میں عہدے نہ بھی دیے گئے مقامی علاقوں میں حکومت کے منظورنظر ہونے کی وجہ سے ان کی طاقت میں بےتحاشا اضافہ ہوا اور یہی لوگ دیہاتوں کے بڑوں کو نامزد کرنے لگے تھے(دیکھیے باکس نمبر 5)۔ یہاں تک کہ عام لوگوں کوحکومت سے جوڑنے کے لیے طالبان دور میں جو مقامی ادارے قائم کیے گئے ان میں بھی مذہبی طبقہ غالب تھا۔ (205)تعلیمی نظام میں بھی اس طبقے کا کردار بہت بڑھا دیا گیا تھا۔ یہ وہ تمام وجوہات ہیں جس کی وجہ سے ملا اور طبقہ علما طالبان کے دور کوسنہری دور کے طور پر یاد کرتا ہے۔

اس کے برعکس2001 کے بعد جونظم حکومت قائم ہوا،جس میں خاص طور پر ادارہ جاتی سطوح پر اور نظام تعلیم میں تبدیلیاں کی گئیں، اس میں اس طبقے کا اثر و رسوخ بتدریج کم ہوا۔ (206) ماس میڈیا خاص طور پر ٹی وی کی آمد اور سیکولر عدلیہ نے طبقہ علما کی طاقت کوضعف پہنچایا۔ ان تمام پیش رفتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغان سماج میں یہ طبقہ سکڑتا گیا، اس موقع پر جب افغان عوام کی اکثریت سیاسی میدان میں ملاؤں کے طاقت پکڑنے پر پریشان تھے...... خاص طور

پر گاؤں کے وڈیرے اور شہری اشرافیہ کے بیانات اس حوالے سے شاہد ہیں۔مغربی میڈیا جب بڑے جوش سے یہ دعوے کرتا ہے کہ ملاحکومت کی پالیسی سازی پر اثر انداز ہورہا ہے تو اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ پوسٹ 2001 جو تبدیلیاں آئیں وہ ان سے زیادہ باخبر نہیں ہے۔ ملاؤں کے نکتہ نظر سے دیکھیں تو یہ تبدیلیاں بڑی اور تباہ کن تھیں۔ 2008 تک ملا طبقے کو جو چیز نظر آتی تھی وہ تھی افغان ریاست اور سماج کی سیکولرائزیشن...... اور یہ وہ پیش رفتیں تھیں جو ملا طبقے کی حمایت کبھی بھی حاصل نہ کر پائیں۔ ان مسائل کے علاوہ جو ملاؤں کے مفاد سے متعلق تھے، ملا کئی دیگر پیش رفتوں پر بھی چراغ پا تھے...... وہ پیش رفتیں جنہیں عام افغان سماج بھی کراہت کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ 2001 کے بعد افغان عورت کا کردار محدود ہی تھا، نہ صرف مغربی معیارات کے حوالوں سے بلکہ خطے کے بعض ممالک کے مقابلے میں بھی (مثال کے طور پر ایران) تاہم محدود تعداد میں ہی سہی جس طرح عورتوں کی ایک اقلیت سماجی زندگی میں ابھر کر فعال کردار ادا کرنے کے لیے سامنے آئی، مثال کے طور پر میڈیا میں، طبقہ علما اس پر بھڑک اٹھا...... اور کئی مبصرین کا تو یہ کہنا ہے کہ اس حوالے سے ابھی بدتر ردعمل سامنے آنا باقی ہے۔

افغان سماج میں اس وقت مذہبی اور ملا طبقے کا تناسب کیا ہے اس کا اندازہ لگانا اگرچہ مشکل ہے تاہم اگر قریبی رشتہ داروں کو بھی شامل کر لیا جائے (بیوی بچے والدین اور نوکر) تو اس طبقے کی نمائندگی افغان آبادی کے 15 فیصد کے قریب بنتی ہے۔ وہ علاقے جہاں ریاست کا تعلیمی ڈھانچہ نہیں ہے وہاں اس طبقے کا اثر بہت زیادہ ہے کہ وہاں یہ واحد طبقہ ہے جو کچھ پڑھا لکھا ہے اور رائے عامہ پر اثر بھی رکھتا ہے۔ ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس وقت پولرائزیشن کا ایک عمل جاری ہے جس میں ایک طرف سیکولر طبقہ ہے تو دوسرا قدامت پرست جو ملاؤں کے گرد جمع ہورہا ہے۔

طبقہ علما کی ساخت کا اندازہ لگانا ایک مشکل کام ہے، تاہم 2007 کے بعد ملاؤں کے احساسات اور رجحانات کا اندازہ لگانے کے لیے کوششیں شروع کی گئیں۔ ان تاثرات میں جو چیز کھل کر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ اگرچہ (حیران کن طور پر) انہوں نے کھل کر طالبان کی حمایت کا اظہار نہ کیا تاہم مغربی فورسز کی افغانستان میں موجودگی کی شدید مخالف کی۔[207]

مدرسے کے طالب علم

اگرچہ کچھ ملا طالبان کے ہمراہ جنگی کارروائیوں میں شریک رہے مگر زیادہ تر حقیقی ملا لڑائی کے عمل میں شریک نہ ہوئے بلکہ ان کی دلچسپی سیاسی کردار نبھانے کی طرف رہی۔ طالبان خود بھی ایسے موثر علما کو جو ان کے لیے لوگ بھرتی کرتے ہیں اور ان کے لیے سہولت کار کا کردار نبھاتے ہیں، میدان جنگ میں لانے کے حوالے سے متامل رہے۔ ویسے بھی طالبان کو ریکروٹس کی قلت کا سامنا نہیں ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ریکروٹس کہاں سے آرہے ہیں؟

مبصرین اور تجزیہ نگاروں میں اس بات پر اتفاق رائے موجود ہے کہ مذہبی مدارس2002 کے بعد تحریک مزاحمت میں طالبان کو فائٹر مہیا کرنے میں کلیدی کردار ادا کررہے ہیں۔ زیادہ تر مدرسوں کے ذریعے جو ریکروٹمنٹ ہو رہی ہے وہ پاکستانی مدرسوں کی طرف سے کی جارہی ہے کیونکہ افغانستان میں ویسے بھی بہت کم مدرسے آپریٹ کر رہے ہیں۔ یقیناً تمام پاکستانی مدارس یہ بھرتیاں نہیں کر رہے اور نہ ہی تمام ریکروٹ ایک ہی سطح پر طالبان سے معاونت کر رہے ہیں۔ کچھ جگہوں پر مدرس براہ راست طالبعلموں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اور جہادی نظریات ان میں پیوست کررہے ہیں تو کچھ معاملات میں وہ مدرسے کی حدود میں کی جانے والی بھرتیوں سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ بہرصورت یہ مدرسے قابل اور پرعزم ریکروٹ تحریک مزاحمت میں انجیکٹ کر رہے ہیں بصورت دیگر مزاحمت اتنی دور تک نہ جاتی۔ (208)

طالبان کو مدارس سے افرادی قوت کے حصول میں کامیابی کیوں مل رہی ہے؟ اس سوال کا جواب اس تعلق میں ہے جو طالبان اور پاکستانی جمعیت علما کے مابین ہے جن کی سرکردگی میں مدرسوں کی اکثریت فعال ہے۔ یہی حقیقت اس امر کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ کیسے طالبان کو مدرسے میں پناہ مل جاتی ہے۔ اور یہی حقیقت اس امر کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ کیوں مدرسوں میں وہ جہادی تعلیم دی جارہی ہے جو طالبان کے لیے بھرتیوں کا سبب بنتی ہے۔ (209)

افغان علما جنہوں نے پاکستان میں تعلیم حاصل کی اب وہ افغانستان جارہے ہیں تاکہ وہاں

جا کر اس طرح کے ریڈیکل مدرسے قائم کر سکیں۔ ریڈیکل مدرسوں کو عام تعلیمی درسگاہوں کی نسبت زیادہ فنڈز ملتے ہیں اور فنڈز کے یہ سورسز زیادہ تر عرب اور خلیج ممالک ہیں۔ کچھ کیسز میں تو ان مدرسہ استادوں اور مزاحمت کے درمیان تعلق پایہ ثبوت کو پہنچے ہوئے ہیں جبکہ زیادہ تر کیسز میں افغان سکیورٹی فورسز کی طرف سے اس حوالے سے مفروضے یا الزامات سامنے آتے ہیں۔ ان مدرسوں کی بڑی تعداد سنٹرل ایشین بارڈرز کے قریب شمال سے کافی دور شفٹ ہو چکی ہے، اگرچہ شمال میں بھی کچھ مگر کم تعداد میں یہ موجود ہیں۔ شمال مغرب کی طرف دیکھیں تو طالبان کی بھرتیوں کا فوکس مدرسے ہیں، چاہے یہ مدرسے ریڈیکل ہیں یا نہیں۔ وہ کون سے عناصر ہیں جو ایک مدرسے کو ریڈیکل بناتے ہیں؟......مزاحمت کاروں کا ہمدرد؟ اس کا انحصار مدرس کے جھکاؤ پر ہوتا ہے جس کا طلبا پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ جو استاد سے تاثر لے کر بغیر کسی سیاسی شعور کے مزاحمت کاروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان خاندانوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں جو اپنے بچوں کو ان ریڈیکل مدرسوں میں بھیجتے ہیں اگرچہ آثار بتاتے ہیں کہ مدرسے کے انتخاب کے وقت وہ سیاسی عزائم نہیں رکھ رہے ہوتے۔ [210]

مہاجر کیمپ

مزاحمت کے آغاز میں ریکروٹنگ کا ایک اہم ماخذ وہ مہاجر کیمپ بھی بنے جو پاکستان میں موجود تھے۔ [211] طالبان نے ان لوگوں کو کیوں ٹارگٹ بنایا اسکی صاف سی وجہ ہے کہ یہ لوگ امریکی حد سے اس پار تھے اور جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے وہ بھرتی کی اس پوری سرگرمی سے آنکھیں بند کیے رہا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ طالبان کو ان مہاجر کیمپوں سے کتنی کامیابی ملی، تاہم جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ ننگر ہار میں 2009 میں حزب اسلامی کی طرف سے جو مزاحمت سامنے آئی ان میں لڑنے والوں کی تعداد ننگر ہاریوں سے زیادہ انہی مہاجر کیمپوں سے تھی۔ [212] یہ مہاجر کیمپ 1980 کی دہائی سے جہادی تنظیموں کی نگرانی میں رہے تھے اور تب سے جہادی تصورات ان میں بھرے جاتے رہے تھے۔ دیہاتوں کی نسبت یہ کیمپ زیادہ مناسب جگہیں تھیں جہاں سے انہیں افرادی قوت میسر آسکتی تھی۔ اس امر کی وضاحت بھی کوئی مشکل امر نہیں کیونکہ یہ مہاجر کیمپ 1980 سے جہادیوں کی نگرانی میں چلے

آ رہے ہیں۔[213]

ایک امر جو فی الوقت واضح ہے وہ یہ کہ اس وقت مہاجر کیمپوں سے طالبان کی بھرتیاں کم ہو رہی ہیں جسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ اب ان مہاجر کیمپوں میں بھرتیوں کی گنجائش نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب افغانستان سے خود بہت زیادہ بھرتیاں ہو رہی ہیں۔ تاہم جو کچھ رپورٹیں طالبان حلقوں سے گاہے گاہے چھن کر آتی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ یہ مہاجر کیمپ اب بھی طالبان قیادت کے دل کے قریب ہیں۔ ملاؤں اور گاؤں کے بڑوں کے ساتھ ساتھ گاہے گاہے طالبان قیادت ان کو بھی مشورے کے عمل میں شامل کرتی رہتی ہے۔[214] طالبان حلقوں سے ملنے والی رپورٹیں یہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ یہ مہاجر کیمپ وہ واحد جگہیں ہیں جہاں طالبان جبری بھرتیاں کر سکتے ہیں۔ ان مہاجر کیمپوں میں موجود ہر خاندان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ خاندان کا ایک فرد جو لڑنے کے قابل ہو تحریک کے لیے وقف کرے۔ یہ امر واضح کرتا ہے کہ ان مہاجر کیمپوں پر ان کا کنٹرول کتنا محکم ہے۔[215]

نوجوان نسل

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا مزاحمت کے ابتدائی دنوں میں طالبان کو بھرتی کے لیے افراد کی دستیابی کے حوالے سے شدید مشکلات کا سامنا تھا تاہم 2006 کے بعد اس صورت حال میں تبدیلی آ گئی جب طالبان کو ان دیہاتی جوانوں کو موبلائز کرنے کے حوالے سے کامیابی ملنا شروع ہوئی جنکا مذہبی تعلیم کے حوالے سے بھی کوئی پس منظر نہ تھا۔ اس حوالے سے بھی شواہد کی قحط سالی ہے، تاہم کچھ شواہد ایسے دستیاب ہیں جو یہ باور کراتے ہیں کہ ایسے نوجوان جن میں سے کچھ یونیورسٹی کی سطح تک پڑھے لکھے لڑکے بھی شامل تھے تحریک مزاحمت انہیں پرکشش نظر آنے لگی۔[216] ایک محقق کے سروے میں یہ مشاہدہ بھی دیا گیا ہے کہ طالبان حلقوں میں سکول لیول کے جوان لڑکوں کو کمانڈر کے درجے پر پہنچنے کا بھی موقع ملا۔[217] شواہد بتاتے ہیں کہ طالبان کی فورس کا زیادہ تر حصہ (سوائے کرائے کے سپاہیوں اور موقع پرستوں کے) ان جوان لڑکوں پر مشتمل ہے جو طالبان کے نظریات سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ غالبا افغانستان پر بیرونی طاقتوں کے قبضے کے خلاف طالبان کے جہاد نے ان لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جو قوم پرست نظریات کے حامل تھے، یا بیرونی ثقافتوں سے متنفر تھے، طالبان نے

MashalBooks.org

ان عناصر کو بھی اپنے جہادی نظریات میں جگہ دی۔ تاہم یہ حقیقت اب بھی نامعلوم ہے کہ ان لوگوں کے اس مزاحمت میں شمولیت کی حقیقی وجوہات کیا ہیں۔

ایک اہم فیکٹر جو ان جوان افغانوں کے طالبان کو جوائن کرنے کی وجہ بنا وہ یہ تھا کہ یہ اپنے سماجی رتبے کو اونچا کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح کی موٹی ویشن اس وقت ٹھوس ہو جاتی ہے جب یہ بھرتی کیے گئے لوگ سماجی سطح پر عزت کی نظر سے دیکھے جانے لگتے ہیں۔ خواہ ان ریکروٹس کی بھرتی کی وجوہات کچھ بھی رہی ہوں طالبان ان تمام جوانوں کو اپنے مجموعی ڈھانچے میں جذب کرنے میں کامیاب رہے۔ [218] حالیہ سالوں میں طالبان بطور تنظیم کوشش کر رہی ہے کہ وہ اپنی تحریک کو زیادہ ینگ اور ان لڑکوں پر مشتمل تنظیم کے روپ میں لے آئے جن کی تعلیم مدرسوں سے باہر ہوئی ہے۔ مثال کے لیے ان رپورٹوں کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ کئی صوبوں کے ہائی سکولوں سے طالبان نے لڑکوں کو بھرتی کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ [219]

پرانے اور نئے طاقتور افراد

کمیونٹی موبلائزیشن کے حوالے سے کی گئی بحث میں طاقتور اشخاص کے رویوں کی بابت بحث اس مقالے میں پہلے شامل کی جا چکی ہے۔ جہاں ہم اس منطقی نتیجے پر پہنچے تھے کہ کمیونٹی موبلائزیشن کے حوالے سے طاقتور اشخاص کی ایک محدود تعداد نے اس تنازع میں شرکت کی ۔ عام طور پر طاقت ور افراد نے خود ہی یہ فیصلے کیے کہ انہوں نے جنگ میں شرکت کرنی ہے یا نہیں اور کس طرف سے شرکت کرنی ہے۔ ان طاقتور افراد سے جنھوں نے حال ہی میں طالبان کی طرف سے مزاحمت میں شرکت کا فیصلہ کیا ہے، چاہے عارضی طور پر ہی سہی......ان افراد کی ذاتی پروفائل کو سامنے رکھیں تو ان کی اکثریت ان طالبان مخالف کمانڈروں پر مشتمل ہے جو اپنی قیادت کے رویوں یا تنظیم میں اہم عہدے حاصل نہ کر پانے کی وجہ سے مایوس ہو کر طالبان میں شامل ہوئے یا پھر ان کی شمولیت کی وجہ یہ بنی کہ 2001 کے بعد جو نظم وجود میں آیا ان لوگوں کو ریاستی وسائل سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکا یا پھر ان کے معاشی مفاد آگے نہ بڑھ سکے، مثال کے طور پر منشیات سے منسلک مفاد......

طالبان میں بھرتی ہونے والے یہ لوگ ان کرائے کے سپاہیوں اور مفاد پرست عناصر سے

کس طرح مختلف تھے جن کا ذکر اس سیکشن کے شروع میں ہوا ہے؟
ان میں سے کچھ طاقت ور افراد وہ بھی تھے جو صرف اس وجہ سے طالبان کے ساتھ شامل نہ ہوئے کہ ان کا مستقبل انہیں زیادہ روشن نظر آرہا تھا یا یہ کہ طالبان کے ساتھ شامل ہونے میں مفادات زیادہ محفوظ رہتے بلکہ یہ وہ طاقتور لوگ تھے جن میں2001 کے بعد شدید احساس محرومی پیدا ہو گیا تھا کہ 80 کی دہائی کے جہاد کی اخلاقیات کو بھلا دیا گیا ہے، ان کو اس بات کا دکھ تھا کہ جہاد افغانستان کے حقیقی مجاہدین کو ہٹادیا گیا ہے اور ایسے عناصر سے بھی اتحاد کرلیا گیا ہے جن کا واضح تعلق بائیں بازو کی جماعتوں سے تھا، وہ طاقتیں جن کے خلاف جہاد کیا گیا تھا۔ (220)
جنگ کے ابتدائی دنوں میں، پرانے مجاہدین کو کھڈے لائن لگانے کا الزام بون کانفرنس کا حتمی نتیجہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا۔ مگر2006 میں اس حوالے سے صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی۔ کابینہ میں سے ایسی کئی اہم شخصیات کو نکال دیا گیا جن کا تعلق طالبان مخالف لشکروں سے تھا۔ اگر پرانے مجاہدین کو مار جنلائز کیا بھی گیا ہو تو یہ محدود سطح تک ہوا۔ یہ رجحان واضح بتا رہا تھا کہ وہ پرانے مجاہدین جو حکومت کا حصہ یہ سوچ کر بنے کہ انہیں مال غنیمت سے حسب خواہش فائدہ نہ مل سکا۔ چند ہی لوگوں کو اب صدر حامد کرزائی کے وعدہ پر اعتماد رہ گیا تھا کیونکہ ماضی کے اکثر وعدے بھی کرزائی پورے نہ کر سکا تھا۔

افغان بڑے کون ہیں؟

اصطلاح ''بڑے'' افغانستان سے متعلق لٹریچر میں عام استعمال ہوتی ہے۔ افغان کلچر کی نسبت سے اس ٹرم سے مراد ہے سفید ریش بزرگ، تاہم تحریروں میں گاؤں کے بڑوں سے مراد گاؤں کے موثر لوگ ہوتا ہے۔ ان میں خان، ملک، قریہ دار، عرب اور مراب شامل ہیں۔ ملک اور قریہ دار افغان تاریخی تناظر میں عموماً وہ مصالحت کار ہوتے تھے جو ریاست کی جانب سے تعینات کیے جاتے تھے اور قبائل سے ریاست کے تعلق کے ذمہ دار تھے۔ طبقا علما کو ان بڑوں میں شامل نہیں کیا جاتا۔

کرزائی کی ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کی پالیسی نے اینٹی طالبان فورسز کو ایک پوائنٹ تک تو موثر رکھا مگر جوں جوں کرزائی کے حلیف اس پالیسی سے واقف ہوتے گئے انہوں نے عذر ظاہر کرنے بھی شروع کر دیے۔

اسی وقت غیر ریاستی مسلح گروہوں کی پرولی فریشن کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ یہ گروہ نہ صرف وہ پرانے مسلح لوگوں پر مشتمل تھے جنھوں نے خود کو دوبارہ سرگرم کیا تھا بلکہ ان میں بالکل نئے گروپ بھی شامل تھے۔ جدید ترین ڈیٹا جو اس حوالے سے اقوام متحدہ کی ایجنسی (Disbandment of illegal Armed Groups) نے جاری کیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ 5557 غیر قانونی مسلح گروپ بشمول 1334 وہ گروپ بھی جن پر سے پابندی ہٹائی گئی، موجود ہیں۔ [221] اور یہ تخمینہ بھی حتمی نہیں ہے بلکہ شواہد عکاس ہیں کہ مسلح گروہوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ 2009 اور 2010 کے درمیان متعدد نئے گروہ وجود میں آئے یا وہ گروہ جو غیر فعال ہو چکے تھے دوبارہ سرگرم ہوئے۔ یہ گروہ ان علاقوں میں ابھرے جہاں

MashalBooks.org

مزاحمت کی تحریک زوروں پر تھی۔ ان گروہوں کے ابھرنے کی وجہ عدم تحفظ کا احساس اورامن عامہ کی دگرگوں صورت حال بنی۔ اگرچہ ان گروہوں میں سے کچھ وہ تھے جنھیں افغان گورنمنٹ اور ایساف نے لوکل سکیورٹی سکیم کے تحت خود تخلیق کیا مگر ایسے گروہوں کی تعداد مجموعی تعداد سے کہیں کم رہی(دیکھیے 5.1)۔ اگرچہ اس حوالے سے تخمینہ موجود نہیں کہ ان گینگز اور مسلح گروہوں کی مجموعی تعداد کتنی تھی جو2010 میں افغانستان بھر میں موجود تھے تاہم DNS کے ذرائع بتاتے ہیں کہ افغان صوبے واردک جیسے علاقوں میں فی گاؤں ایک یا ایک سے زیادہ ایسے گروہ موجود تھے۔ ایک طرح سے یہ صورت حال1980 کی دہائی سے مشابہ تھی بلکہ کئی حوالوں سے ان گروہوں کی تعداد اس دور سے بھی زیادہ تھی جن کے سیاسی جماعتوں سے باقاعدہ تعلقات تھے۔1988 میں روسی ذرائع کا کہنا تھا کہ ایک تہائی مسلح گروہ ایسے تھے جنکا سیاسی تنظیموں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ [222] واردک جیسے علاقوں میں 10فیصد سے کم گروہ ایسے ہیں جن کا تعلق طالبان یا حزب اسلامی سے ہے، کچھ وہ گروہ ہیں جو کرائے کے سپاہی کا مفاد پرست گروہ کے طور پر مزاحمت کاروں سے ملے ہوئے ہیں تاہم بڑی تعداد ایسے گروہوں پر مشتمل ہے جنکا کوئی سیاسی ایجنڈا نہیں اور وہ صرف اس عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے وجود میں آئے جو مختلف کمیونٹیز کو لاحق ہے۔ [223]ان مسلح گروہوں کے قیام کا ناگزیر نتیجہ یہ نکلا کہ سکیورٹی کی صورت حال مزید مخدوش ہوگئی کیونکہ ایک بار جب یہ گروہ وجود میں آجاتے ہیں تو پھر مالی مفادات کی جنگ بھی شروع ہو جاتی ہے اور زیادہ سے زیادہ مالی مفادات کے حصول منشیات کی تجارت سے زیادہ سے زیادہ وصول کرنے اور آبادی کو اپنی گرفت رکھنے کے لیے یہ گروہ قریبی دیہاتوں کو شکار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

مسلح گروہوں کا اس بڑے پیمانے پر پھیلنا لا اینڈ آرڈر کی صورت حال کو مزید خراب کرنے کا سبب بنا ہے۔ اس صورت حال میں اگرکوئی تحریک مزاحمت نہ بھی ہوتی تو پھر بھی ملٹری پولیٹکل تنازع کے ابھرنے کے آثار واضح تھے۔ اس پس منظر میں کہ جہاں پہلے ہے مزاحمت فعال ہو، تو طاقتور افراد خاص طور پر وہ جو حکومت سے بیزار ہوں، انہیں اپنی طرف کھینچنا ایک ناگزیر آپشن بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑھتی ہوئی مزاحمت میں طاقتور افراد کا ساتھ مل کر کام کرنے کا رجحان ہی ان طاقتور افراد کی حقیقی طاقت تصور ہوتا ہے نظریاتی عزائم اور مفاد پرستانہ ارادوں کا امتزاج، جس کے حوالے سے پیچھے بحث کی جا چکی ہے، ایک آتشاں

فشانہ امتزاج ہے۔ جہاد یا طالبان کی حمایت کی طرف بڑھتے رجحان کو سمجھنے کے لیئے لازم ہے کہ Crictical Mass (خاموش اکثریت) کو سمجھا جائے۔
سماجی علوم میں خاموش اکثریت کی اصطلاح اس پراسیس کو کہتے ہیں جب کوئی سماجی تحریک نظری سپورٹرز کے مرکزی حلقے کے علاوہ عام عوام میں بھی تیزی سے پھیلنا شروع کر دے، خاص طور پر اس وقت جب نظریاتی کارکن عام عوام تک یہ تاثر پہنچانے میں کامیاب رہیں کہ ان کی کامیابی کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ اس کیس میں وہ لوگ بھی جو تحریک سے نظری طور پر وفاداریاں نہیں رکھتے، وہ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں تاکہ مستقبل میں اپنے لیے محفوظ جگہ حاصل کر سکیں۔ سول تنازعات کے حوالے سے خاموش اکثریت کی حمایت کا دارومدار اس امر پر نہیں ہوتا کہ تحریک طاقت یا لیاقت کا مظاہرہ کرے بلکہ اس کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ تنازع میں شامل فریقوں کے ساتھ ان کے روابط کیسے ہیں۔
طالبان کے معاملے میں ان کی دلکشی کا انحصار اس امر پر نہیں تھا کہ وہ طاقتور یا کمزور تصور ہوتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ بنی کہ ان کے مخالفین کے بارے میں کیا تاثر ابھرا۔ 80 کی دہائی میں خاموش اکثریت 1980 میں واضح طور پر مزاحمت کے حق میں ہوگئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ روس ابتدا میں ملک میں گہرائی میں اپنی طاقت کا اظہار نہ کر سکا تھا۔ اب اس صورت میں مجاہدین ہی وہ واحد کل تھے جو لوگوں کی توجہ اپنی طرف کر سکتے تھے۔ بعدازاں روسیوں اور ان کے افغان اتحادیوں نے دیہاتی علاقوں میں قدم جمانے کی بڑی کوشش کی مگر انہیں کامیابی نہ مل سکی۔ اسی طرح طالبان کی تنظیمی ساخت بھی اس بالواسطہ اثر کا تفاعل ہے۔ طالبان براہِ راست طاقتور لوگوں کو اپنے ساتھ موبلائز نہیں کرتے، بلکہ صرف ان کا وجود ہی کافی ہوتا ہے کہ بے چین عناصر اس کو مضبوط چھتری سمجھ کر اس کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔ شمالی افغانستان کا تجربہ بھی اس کی وضاحت کرتا ہے کہ جب 2010 کے وسط میں طالبان پر دباؤ بہت بڑھ گیا تھا تو کئی طاقتور افراد دوبارہ طالبان سے الگ ہو کر حکومت کی طرف سے لڑنے لگے تھے۔ (224)

نسلی پہلو

نسل پرستی بطور اینٹی گورنمنٹ موبلائزر کی بحث اس مقالے کے سیکشن 4.3 میں کی جا چکی ہے۔ جونکتہ ابھی قابل بحث ہے وہ یہ ہے کہ کیا نسلی محرومیاں مزاحمت کے حوالے سے خاص طور پر پشتونوں کی مزاحمت کے حوالے سے کوئی کردار رکھتی ہیں۔ اس حوالے سے شواہد انتہائی کم ہیں۔ نسلی حوالوں سے موٹی ویٹڈ غیر پشتونوں پر ہونے والے حملے سامنے رکھیں تو طالبان ان میں کبھی ملوث نظر نہیں آئے۔ طالبان ہمشہ سے یہ کہتے رہے ہیں کہ ان کا تعلق کسی مخصوص نسل سے نہیں ہے۔ تاہم اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ طالبان کی اکثریت پشتون ہے۔ اسی وجہ سے پاکستانی مبصرین اور عوام کے علاوہ کچھ افغان حلقے بھی اس مفروضے کے قائل ہیں کہ طالبان پشتون تحریک ہے۔ یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ مزاحمت کی پناہ گاہ پاکستان میں ہے اور جن علاقوں میں یہ تحریک فعال ہے وہ بھی سرحدی علاقے ہیں جہاں پشتونوں کی اکثریت ہے۔ علاوہ ازیں شمالی علاقوں اور پاکستان کے مدرسوں میں جو طالب پڑھنے آتے ہیں ان کی بھی زیادہ تعداد پشتونوں پر مشتمل ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ تحریک مزاحمت پشتون نسل پر مشتمل ہے......کم سے کم اس حد تک جب تک انہوں نے اپنی مضبوط بنیاد نہیں بنائی تھی تب تک یہ پشتون تحریک تھی اور بعد میں ہندوکش کی دوسری طرف اس نے پھیلنا شروع کیا۔ دوسری جانب یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 2006 کے بعد طالبان نے بھر پور کوشش کی کہ غیر پشتون کمیونٹیز کو بھی اپنی تحریک کے حوالے سے موبلائز کر سکیں اور 2008 کے قریب انہیں جا کر کامیابی بھی ملنا شروع ہوگئی۔[225]

یہ البتہ ایک الگ بات ہے کہ پشتونوں کی محرومیاں نوجوان پشتونوں کو طالبان کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ شواہد بھی موجود ہیں کہ شمالی افغانستان میں افغان مہاجروں کو بڑے پیمانے پر طالبان میں بھرتی کیا گیا ہے۔ شمالی افغانستان کے یہ مہاجر وہ لوگ تھے جنھیں طالبان حکومت کے گرنے کے بعد بدلے کی رو میں آ کر ازبکوں، تاجکوں اور ہزاروں کے لشکروں نے مار بھگایا۔[226] تاہم شمال کے ان مہاجروں کی بھرتی کوئی ٹھوس جواز نہیں بنتی جس کو بنیاد بنا کر یہ کہا جائے کہ موجودہ تحریک مزاحمت پشتون نسل پر مشتمل ہے۔ جن مزاحمت کاروں سے گاہے گاہے ملاقاتیں ہوئی ہیں، ان کے تاثرات سے یہ ثبوت نہیں ملتے

کہ یہ تحریک پشتون ہے، اگرچہ ان شواہد کا ذکر کہیں بھی نہیں کیا جاتا۔ [227]

پشتون بیلٹ میں موجود احساس محرومی کا طالبان تحریک کی مضبوطی کے حوالے سے کردار ثانوی ہے۔ مثال کے طور پرLadbary بیان کرتا ہے کہ وارڈک کے نوجوان پشتون نسل آدمی گاڑیوں پر ازبک کمانڈر مسعود کی تصویریں چسپاں کر کے گھومتے تھے۔ [228] اس سلسلے میں شمالی افغانستان ایک استثنائی مثال ہے جہاں قبائلی لڑائیاں وجہ بنیں کہ کندوز اور بغلان کے پشتون حصے طالبان کی طرف تھے جبکہ تاجک اور ازبک حصے اینٹی طالبان لشکر بن گئے۔ [229] یہاں بھی طالبان کا مضبوط ڈھانچہ وہ سبب بنا کہ پشتون کمیونٹیاں مقامی دشمنیوں میں مضبوط پوزیشن کے حصول کے لیے طالبان سے ملیں۔

غیر ملکیوں سے نفرت

ایک اور معروف نظریہ جو افغان تنازعات کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ افغان عوام غیر ملکیوں سے متنفر ہیں اس لیے مزاحمتی تحریکیں جنم لیتی ہیں، خاص طور پر اس صورت میں کہ جب عوام ان غیر ملکی فوجیوں کو غیر ملکی حملہ آور کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اس نظریے میں بنیادی نقص یہ ہے کہ شواہد اس سے لگا نہیں کھاتے۔ واحد طریقہ جو اس حوالے سے عملی ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ مزاحمت کاروں سے ملا جائے اور اس حوالے سے ان کی رائے دریافت کی جائے۔ [230] تاہم یہ صداقت اپنی جگہ کہ کچھ شواہد ایسے دستیاب ہیں جو اس بنیاد پر طالبان میں بھرتیوں کا سبب قرار دیے جا سکتے ہیں۔ مگر پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس مظہر کو دینی عقائد سے علیحدہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے؟ کیا یہ موبلائزیشن کا حتمی فیکٹر ہوسکتا ہے؟ اوپر کہیں ذکر ہو چکا ہے کہ افغان جہاد کے حوالے سے عام شہری ہلاکتیں ایک سبب رہی ہیں جو لوگوں کو موبلائز کرنے کا سبب بنیں۔ کیا اس ردعمل کو غیر ملکیوں سے نفرت کے جذبے کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ مگر غیر ملکیوں سے نفرت کو بطور حکومت مخالف مزاحمت فیکٹر کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ غیر ملکیوں سے نفرت کے مظہر کو سمجھا جائے۔

افغانی غیر ملکیوں سے متنفر ہیں، اس حوالے سے کافی مباحث ہو چکے ہیں۔ مگر اس موضوع پر شاذ ہی کوئی سنجیدہ مطالعہ سامنے آیا ہے۔ اس حوالے سے دو پہلو ہو سکتے ہیں کہ علیحدگی کا شکار معاشرے بیرونی عناصر کو رد کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور دوسرا پہلو مذہبی جذبات

سے متعلق ہے۔ اول الذکر جذبے کو باآسانی چھوٹے موٹے واقعات کی بنیاد پر اکسایا جاسکتا ہے مثال کے طور پر سڑک پر ہونے والے حادثے، کولیٹرل ڈیمیج یا مقامی آبادی کے حوالے سے ظلم اور بے حسی پر مبنی فوجیوں کا رویہ۔ جہاں تک مذہبی جذبات کا تعلق ہے وہ اسلامی تصور سے علحیدہ ایک چیز ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو اسلامی تحریکوں کو متعین کرتا ہے۔ اور ایک حوالے سے دیکھیں تو یہی جذبہ بنیاد پرست تحریکوں (جیسا کہ طالبان ہیں) کو تخلیق کرتا ہے۔(231)

غیر ملکیوں سے اباحت اور قوم پرستانہ جذبات میں ایک باریک سی سرحد ہوتی ہے۔ ایساف افواج اور آپریشن انڈیورنگ فریڈم کا بطور قابض افواج تصور قوم پرستانہ جذبے کی تشفی بھرپور انداز میں کرتا ہے۔ تاہم اگر معاملہ یہ ہو کہ ملک کی کسی جائز حکومت کی جانب سے مداخلت کی دعوت دی گئی ہو تو اس سلسلے میں باغیانہ رویے غیر ملکیوں سے نفرت کے جذبے کے عکاس ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کسی بھی شکل میں غیر ملکیوں کی موجودگی سے نفرت غیر ملکیوں سے اباحت کا جذبہ ہے اور کسی معروضی خطرے کے احساس میں دیا جانے والا ردعمل قوم پرستی کہا جاسکتا ہے۔ عملی طور پر ان دونوں مظاہر میں تفریق کرنا مشکل ہے کیونکہ جو بھی شخص بیرونی فورسز کی افغانستان میں موجودگی کا مخالف ہے وہ اس مخالفت کی بنیاد بیرونی خطرے کو ہی کہے گا۔ غالبا یہاں اس امر میں امتیاز کی گنجائش موجود ہے کہ لائن کی ایک طرف وہ لوگ ہوں گے جو افغانستان کو خطرے میں تصور کرتے ہوں اور لائن کی دوسری طرف وہ لوگ ہوں جو ایک مخصوص کمیونٹی کو خطرے کا شکار خیال کرتے ہوں۔ تاہم اس حوالے سے بھی مقامی تصورات خاصے مبہم ہیں۔

خواہ قوم پرستی کہا جائے یا غیر ملکیوں سے نفرت، سوال یہ ہے کہ مخالفین طالبان کے گرد ہی کیوں جمع ہوئے جو کہ اپنی ماہیت میں ایک قوم پرست تحریک نہیں ہے۔ کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ طالبان وہ واحد منظم گروہ ہوں جو افغانیوں کی محرومیوں کو متشکل کر سکتے ہوں۔ اگر طالبان نہ ہوں تو یہ جذبات خوابیدہ رہ جائیں۔

MashalBooks.org

اس حوالے سے شواہد میں اضافہ ہوا ہے کہ طالبان کی شیڈو گورنمنٹ نے جس طرح انصاف مہیا کیا، اس وجہ سے نہ صرف افراد بلکہ گروہ بھی اس کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں۔ یہ عمل انتہائی سادہ ہے۔ جب طالبان کوئی تنازعہ طے کرتے ہیں یا کسی فوجداری مقدمے کا فیصلہ کسی کے حق میں کرتے ہیں تو جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے اس نے طالبان کے اپنے علاقے پر قبضے کی حمایت کرنا شروع کر دی۔ طالبان اگر دوبارہ حکومت میں آتے ہیں تو تنازعات کے حل حوالے سے ان کا کام خود بخود کالعدم قرار پا جائے گا۔[232] تاہم ایک بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ طالبان کے انصاف کے حوالے سے ردعمل بھی مختلف ہیں۔ اصل میں معاملہ نظام انصاف کے حوالے سے عوامی تصور کا ہے۔ جب طالبان کمانڈر شریعت کا بنیاد پرستانہ ورژن نافذ کرتے ہیں، تو مقامی اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے۔ تاہم عمومی تاثر کے حوالے سے بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ طالبان کا انصاف موجود حکومت کے نظم انصاف سے کہیں زیادہ ہر دلعزیز ہے۔ اگرچہ روایتی جرگہ نظم انصاف مقامی سطح پر زیادہ پاپولر ہے مگر کمزور کمیونٹیوں میں عملاً نافذ نہ ہو پانے کی وجہ سے اسے مسائل کا سامنا ہے۔[233]

قوم پرستی اور غیرملکیوں سے نفرت کے معاملے کی طرح ''بری حکومت'' کا اثر بھی خوابیدہ رہتا اگر طالبان جیسی کوئی منظم قوت اور تنظیم منظر پر نہ ہوتی۔ یہ حقیقت اب اپنا اظہار کر رہی ہے کہ طالبان نے جس طرح اپنے وسائل کا استعمال انصاف فراہم کرنے کے لیے کیا، اس سے انہیں ایک ایسی تحریک سمجھا جانے لگا ہے جو بے انصافیوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

6.6 ۔ فنڈنگ

انفرادی معاشی عزائم بطور حکومت مخالف تحریک کے حوالے سے اوپر کافی بحث ہو چکی ہے۔ جہاں تک مزاحمت کی وسیع پیمانے پر فنڈنگ کا تعلق ہے تو اس حوالے سے کئی حلقوں میں مختلف آرا گردش کرتی رہتی ہیں، خاص طور پر اس حوالے سے کہ اس فنڈنگ کے سورس کیا ہیں اور موبلائزیشن کے حوالے سے یہ فنڈنگ کسی طرح اثر انداز ہوتی ہے۔

طالبان میں کرائے کے سپاہیوں کی تعداد جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں اتنی زیادہ نہیں ہے۔ تاہم طالبان کے اکثریتی رنگروٹوں اور کمانڈروں کے لیے یہ امر کافی مشکل ہے کہ وہ

بغیر معاضے کے ہی لڑتے رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام ہی لوگ گھر بار والے ہوتے ہیں اور اپنے گھر کا خیال رکھنے کے حوالے سے ان پر کلچرل دباؤ ہوتا ہے۔ طالبان کے سورسز بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے جوانوں کو موبلائز کرنے کے حوالے سے تعداد کا انحصار ان کے وسائل پر ہوتا ہے۔ کم از کم 2006 کے بعد سے معاملات اسی نہج پر ہی چل رہے ہیں اور یہی وہ دور ہے جس میں طالبان کی بھرتیوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ طالبان کتنا معاوضہ اپنے اہلکاروں کو دیتے ہیں؟ اس حوالے سے ہر علاقے کے لیے ان کا مخصوص نظم ہے تاہم اتنا کہا جا سکتا ہے کہ 2006 میں فی جوان معاوضہ 140 امریکی ڈالر ماہانہ تک تھا جو مہنگائی اور افراط زر کی وجہ سے 2010 میں 200 سے 300 امریکی ڈالر تک پہنچ گیا۔ یہ رجحان، علاوہ ازیں طالبان بھرتیوں میں اضافہ اور سیاسی اور فلاحی پروگراموں پر ان کا خرچ...... ظاہر کرتا ہے کہ طالبان کی فنڈنگ میں متواتر اضافہ ہورہا ہے۔ تاہم یہ بھی آثار موجود ہیں کہ طالبان کے پاس ریونیو کے مستند اور محکم ذرائع کم ہوئے ہیں۔ (234)

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ طالبان کے آمدنی کے ذرائع کے حوالے سے تحقیق اکیڈمک اہمیت کی حامل ہی نہیں بلکہ اس کے سیاسی مضمرات بھی ہیں۔ عام خیال ہے کہ 2002 تک اور اس کے کچھ عرصے بعد تک بھی طالبان کو عرب ممالک کی جہادی تنظیموں سے فنڈز ملتے رہے ہیں۔ اس کے واضح ثبوت عرب گروپوں کے افغانستان میں آزادانہ نقل و حرکت کرنے سے بھی ملتے ہیں۔ (235)

2006 میں ان ''دہشت گرد سیاحوں'' کے دورے محدود تر ہوتے گئے جس کا واضح مطلب ہے کہ اس ریونیو سورس میں زوال آیا ہے۔ تاہم 2009 کے بعد طالبان کے زیر اثر علاقوں میں اضافے کے ساتھ اس کے مقامی ٹیکس وصولیوں میں اضافہ ہوا ہے۔ جن علاقوں میں طالبان کی گرفت مضبوط ہے وہاں سے یہ ہر شخص سے اس کی آمدنی کا دس فیصد وصول کرتے ہیں۔ کچھ طالبان عناصر کی جانب سے لوگوں کی جائیدادوں پر قبضے کی رپورٹیں بھی آئیں تاہم قیادت نے اس حوالے سے سخت اقدامات کرتے ہوئے جائیدادیں ان لوگوں کو واپس دلوا دیں جنکی وہ تھیں۔ (236)

ایک حتمی اور آخری سورس آف ریونیو برائے طالبان پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی ہے جس کی فنڈنگ میں حالیہ دنوں میں اضافہ ہوا ہے جب طالبان کی کارروائیوں کا دائرہ وسیع

ہوا ہے اور مغرب نے پاکستان کی طالبان کے لیے سپورٹ کے حوالے سے کھل کر مذمت کی ہے۔ طالبان کے سورسز کا کہنا ہے کہ 2010 تک سب سے بڑا ماخذ آمدنی آئی ایس آئی کے فنڈز تھے۔(237)

6.7 ۔ پوری کشمکش میں طالبان کا کردار

پوسٹ 2001 کے منظر نامے میں طالبان بطور تحریک اور تنظیم جس اہمیت کی حامل ہے اس سے انکار سر دست ممکن نہیں۔ ان کے بغیر یہ مزاحمت یا تو بالکل نہ ہوتی یا اس کی شکل بہت مختلف ہوتی۔ 2001 کے بعد سمجھوتہ بازی میں طالبان کو نظر انداز کرنا ہی وہ بنیادی فیکٹر ہے جو اس موجودہ کشمکش کا سبب ہے۔ طالبان بطور تنظیم نظریاتی حوالوں سے موٹی ویٹڈ'' اہل ایمان'' پر مشتمل ہے جس نے طبقہ علما کی محرومیوں، نظر انداز کی گئی کمیونٹیوں، نوجوان طبقے کی فرسٹریشن کو اور ماضی میں طالبان کے شدید مخالفین تک کو ایک پلیٹ فارم مہیا کیا ہے۔ غیر ملکیوں سے نفرت کے افغانی جذبے کو بھی انہوں نے موبلائز کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ تاہم پشتونوں کے احساس محرومی کے جذبات کو تشفی دینے کے حوالے سے طالبان کے خلاف کچھ محکم شواہد نہیں ملے ہیں۔ بیرونی مدد یا کم از کم خاموشی کی وجہ سے طالبان کی تنظیم نے خود میں اتنی صلاحیت بھی پیدا کی ہے کہ وہ پاکستان کے اندر قائم مہاجر کیمپوں میں اپنا حکم چلا سکتے ہیں اور مدرسوں پر بھی ان کا اثر ورسوخ قائم ہے۔ ان عناصر کی موجودگی نے معاشی فیکٹر کی اہمیت کو اگرچہ کم کیا ہے تاہم جس بڑے پیمانے پر طالبان کی نقل وحرکت ہو رہی ہے اس کے لیے فنڈنگ بھی ناگزیر ہے۔ اور طالبان اس حوالے سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں کہ آمدنی کا کوئی موقع وہ جانے نہیں دیتے۔ ان تمام حوالوں کے باوجود طالبان بطور تنظیم اور یہ کیسے کام کرتی ہے، اس حوالے سے بہت کم تحقیق ہوئی ہے۔ مزاحمت کی تحریکوں کے حوالے سے تنظیم کی اہمیت کے حوالے سے 80 سے 90 کی دہائی کی مناسبت سے حزب اسلامی پر تو تحقیق کی گئی تھی مگر پوسٹ 2001 کے بعد کے حوالے سے ایسی تحقیق ابھی تک نہیں کی جاسکی۔(238)

MashalBooks.org

7۔ نتیجہ

یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ موجود افغان سماج کی نسبت خاص طور پر دیہی اور شہری تقسیم، نے تنازعات کو ہوا دینے کے حوالے سے اپنا حصہ ڈالا ہے۔ اور جب تنازعات ایک بار شروع ہو گئے تو پھر دیگر عوامل بھی حصہ دار بنتے گئے۔ اس مقالے کی کلیدی دلیل یہ ہے کہ افغانستان اپنی ہی تاریخ کے ہاتھوں معتوب ہے۔ اس لیے ساختیاتی عوامل ہمیشہ کے لیے طے نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کی اپنی حرکیات ہوتی ہیں۔ جدید افغان تاریخ نے بڑی ہجرت بھی دیکھی ہے اور مہاجروں کی واپسی بھی، وہاں ار بنائزیشن کا عمل بھی ہوا ہے، قبائلی ڈھانچے بھی کمزور ہوئے ہیں اور نئے سماجی طبقوں نے بھی جنم لیا ہے۔ ان تمام عوامل نے مل کر ایک ایسے ماحول کو جنم دیا ہے جو خود خانہ جنگیوں کو ہوا دے سکتا ہے۔ یہی حقیقت اس عمل سے بھی عیاں ہے کہ 79-1978 کا تنازعہ 03-2002 کے تنازع سے اپنی فطرت میں مختلف ہے۔

2001 سے قبل تنازعات کے افغان سماج پر جو اثرات پڑے وہ خود ایک وجہ ہیں کہ کیوں موجودہ صورت حال کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔ 2011 میں رہ کر دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ 1994 میں طالبان کا ابھرنا اور بحیثیت تحریک پورے افغانستان پر چھا جانا نمایاں ترین پیش رفت محسوس ہوتی ہے۔ طالبان نے بطور تنظیم اور بطور شناخت افغانستان کے طبقہ علما کی کثیر تعداد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ اس عمل نے افغانستان کے پورے سیاسی منظر نامے کا رخ بدل کر رکھ دیا ہے۔ اسی اور نوے کی دہائی کی پیش رفتوں کا ایک اور نتیجہ منتشر اور مقامی ملٹری کلاس کے جنم کی صورت میں نکلا ہے، جس نے خود کو انتہائی سخت جان بھی ثابت کیا ہے اور 2001 کے تنازع میں اہم عامل بھی ثابت ہوئی ہے۔

MashalBooks.org

اسی اور نوے کی دہائی کے جو دیگر اہم منطقی نتیجے نکلے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(1) 1992 میں ریاست کا انہدام جس نے پہلے سے ہی کمزور ریاستی ڈھانچے کو کمزور تر کیا اور یوں کمزور حکومتوں کا سبب بنا جس کا ذکر 'کمزور حکومتوں' کے عنوان سے سیکشن 5.1 میں ہو چکا ہے۔

(2) نسلی بنیادوں پر گروہ بندی کا جنم ہوا جو اگرچہ موجودہ تنازعہ کا کلیدی فیکٹر تو نہیں مگر پوسٹ 2001 صورت حال میں اہم عامل ضرور ثابت ہوا ہے۔

(3) افغانستان کے ملٹری اور سیاسی ایکٹرز کے بیرونی تعلقات کا آغاز ہوا جو 2001 کے بعد بھی کسی نہ کسی طرح جاری رہے۔

تنازع کے پوسٹ 2001 فیز کے عناصر کی جامع تشریح قبل از وقت بھی ممکن ہو سکتی تھی۔ کوئی بھی افغان سماج کی تباہ حالی کو تصور کر سکتا تھا جس میں چہار جانب تنازعات تھے (قبائلی تنازعات، سیاسی تنازعات اور گروہی تنازعات) اور اس میں موجود انرجی کو کیپچر کیا جا سکتا تھا قبل ازیں کہ یہ انرجی خاموش اکثریت کے اندر نفوذ کرتی۔ اگر یہ سمجھ لیا جاتا تو یہ تفہیم آسان ہو جاتی کہ افغان سماج میں مزاحمتی تحریک نے لازما کامیاب ہونا تھا ورنہ اتنا تو اندازہ ہو ہی جاتا کہ سیاسی نظام پر مزاحمت نے گہرے نقوش چھوڑنے تھے۔ اب مزاحمت اس مقام تقویت تک پہنچ چکی ہے کہ افغان حکومت کو نئے سیاسی سمجھوتے کرنے پڑیں گے اور ان عناصر، گروہوں اور نظرانداز کیے گئے قبائل کو اس نظام میں جذب کرنا پڑے گا۔ اس مفروضے کے تحت بھی آگے بڑھنے کا طریقہ اب یہ نہیں ہوگا کہ قبائل کے بڑوں کو کچھ مراعات دے کر انہیں خوش کر لیا جائے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسا کرنا انہیں یہ یقین دلا دے گا کہ یہ انعام انہیں کامیاب تحریک مزاحمت چلانے کے صلے میں مل رہا ہے۔ ضرورت ٹھوس اور طویل المعیاد سیاسی سمجھوتوں کی ہے۔

2002-03 میں جب موجودہ مزاحمت نے اپنا آغاز کیا تھا تو اس کی سادہ سی وجہ کمزور بلکہ بری حکومت اور بین الاقوامی مداخلت تھی جس نے افغان سماج کے اکثریتی طبقے کو خود سے علیحدہ کر لیا تھا۔ افغان ریاست کا ضعف اور بری حکومتیں وہ وضاحت ہے کہ کیونکر 2001 کے بعد کی ساری صورت حال نے جنم لیا۔ کچھ لوگ بری حکومت کو مزاحمت کی براہ راست وجہ کہہ رہے ہیں، کچھ کا خیال ہے کہ ریاست کا ضعف اور غیر فعالیت وہ چیلنج ہے جو افغان حکومت

MashalBooks.org

کے سامنے ہے۔ یہ وجہ ہے کہ معمولی مقامی تنازعات کو غلط طریقے سے ہینڈل کیا گیا جن کا اثر غیر معمولی طور پر بہت گہرا پڑا۔ مجموعی طور پر مبصرین کا اس نکتے پر اجماع ہے کہ کمزور حکومت کلیدی فیکٹر ہے اگرچہ ڈویلپمنٹ ایجنسیز اس فیکٹر کے ہمراہ کاؤنٹرانسرجنسیز کو زیادہ بنیادی فیکٹر قرار دیتی ہیں۔ طالبان بھی اپنی شیڈو گورنمنٹ کے ذریعے کی گئی اپنی سرمایہ کاری کے حوالے سے ان کے اس خیال سے کسی حد تک اتفاق کرتے ہیں۔ تاہم اگر طالبان اپنے پیر مضبوط کر رہے ہیں تو اس مظہر کی سب سے بنیادی وجہ کمزور حکومتیں ہیں۔

یہ اہم حوالہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بیرونی مداخلت جو چاہے روسیوں کی جانب سے ہوئی یا مغربیوں کی جانب سے اس نے بھی افغان مسئلے کو پیچیدہ تر کیا ہے چاہے ان دونوں کی مداخلت کا طریقہ کار کتنا بھی مختلف کیوں نہ رہا ہو۔ مغربی فوجیں روسیوں سے مہذب ہونے کے باوجود بھی مزاحمتی تحریک کی راہ روکنے میں ناکام رہیں اگرچہ اب کی بار تحریک مزاحمت ذرا سست رفتار رہی۔ تاہم بیرونی مداخلت افغان تنازعے کا واحد سبب قرار نہیں دی جاسکتی کہ یہ ایک پورا مکینزم ہے جو کسی ایک عامل پر انحصار نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تصور نے کہ بیرونی فورسز سٹیٹس کو کو تبدیل کرنے آئی ہیں، اس کا ردعمل مخالفانہ رہا ہے۔

کچھ مبصرین کا خیال ہے کہ اینٹی گورنمنٹ موبلائزیشن کے حوالے سے منشیات اکانومی کا بنیادی کردار ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کے موبالائزیشن کے حوالے سے وسائل پر قبضے کے مختلف طریقے سامنے آئے ہیں جن میں ٹیکس وصولیاں، امدادی ٹھیکوں پر ٹیکس اور منشیات کی مصنوعات پر ٹیکس شامل ہیں۔ اس تنازع کی جڑیں ڈھونڈنے کا ایک اور سادہ ترین طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیہی علاقوں میں غربت اور مواقع کی عدم موجودگی کو اس کے مقابلے میں رکھ کر دیکھا جائے۔ بیرونی سفارتی حلقے اس مزاحمت کو اکثر پاکستان کی امداد (اور اب ایران بھی) کے ساتھ جوڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ افغان جنگجو اپنی غربت کی وجہ سے پاکستان سے ملنے والی رقوم کے بدلے میں کرائے کی سپاہیوں کی طرح لڑتے ہیں۔ افغان حکومت اور افغان انٹیلی جنسیا بھی اس بیرونی ہاتھ کو تنازعات کی بنیادی وجہ قرار دیتا ہے، غالبا یہ الزام لگا کر وہ بری حکومتوں کے مرکزی عامل سے توجہ ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

موجود شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے کسی ایسی تفہیم تک پہنچنے کی ضرورت ناگزیر ہے کہ کیسے مزاحمت کاروں نے خاموش اکثریت کو اپنا ہمنوا بنایا اور اتنی بڑی طاقت میں ڈھل گئے کہ

حکومتی مشینری تک ان کے خوف سے کانپنے لگی ہے۔ یہ مزاحمت ایک وار سائیکل کا نقطہ آغاز ہے جو بار بار اس طرح کے حالات کو جنم دیتی رہے گی کیونکہ افغانستان میں متحارب مزاحمت کار نئی ریاست کی تشکیل یا نئے نظم کی تخلیق کے لیے ایک دوسرے سے لڑتے رہیں گے۔ بیرونی مداخلتوں نے افغانستان کی حالت میں ابتری لانے کے حوالے سے یقیناً اپنا کردار ادا کیا ہے تاہم یہ وار سائیکل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک متحارب اور متضاد مقاصد کے حامل گروپ طاقت اور وسائل کے حصول کی جنگ میں اسی طرح مشغول رہیں گے۔ اور یہ جنگ کا منحوس چکر تب تک غارت گری دکھاتا رہے گا جب تک کسی پیس سائیکل کا ٹھوس انداز میں ظہور نہیں ہوتا۔ بین الاقوامی پالیسی سازوں کے ذہن میں یہ ہے کہ وہ اپنی مداخلت سے اپنے حلیف افغانوں کو اس پوزیشن میں لے آئیں گے کہ کوئی ان کو چیلنج نہ کر سکے۔ تاہم آثار واضح ہیں کہ یہ خیال ٹھوس نہیں اور اچھے خاصے شکوک وشبہات موجود ہیں کہ بعض قبائلی اتحادیوں کی مدد کر کے انٹرنیشنل کمیونٹی کس حد تک افغان تنازع کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے گی۔ لگتا یہی ہے کہ خود افغان قبائل کو ہی امن کے قیام کے حوالے سے کسی پیش رفت کو جگہ دینا ہوگی۔ بین الاقوامی مدد کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جس گروہ کی وہ سرپرستی کرتی ہیں وہ طاقت پکڑتے ہی خود منحصر کردار ادا کرنا شروع کر دیتا ہے اور وہی مفادات کی جنگ پھر شروع ہو جاتی ہے۔ بیرونی فوجوں کا انخلا امن کا نقطہ آغاز ہو سکتا ہے مگر پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ جن گروہوں کی سرپرستی کی جاتی رہی ہے کیا وہ نئی صورت حال میں زندہ رہ سکیں گے؟ دیوار پر لکھا خطرہ یہ ہے کہ بیرونی فورسز کے نکلتے ہی وہی لوگ پھر طاقت میں آجائیں گے جن کو کمزور کرنے کے لیے بیرونی دنیا نے مداخلت کی تھی۔ اس لیے ضرورت ہے کہ جن کی سرپرستی کی جارہی ہے ان کو خود منحصر کرنے سے پہلے اس حوالے سے گہرائی میں مطالعہ کیا جائے۔

سماجی حالات اور افغانی معاشرے کے انتشار نے طالبان کو تنظیمی سطح پر فائدہ پہنچایا ہے اور وہ کمزور ٹیکنالوجی اور روایتی جنگی چالوں کے باوجود کامیابی حاصل کرتے جارہے ہیں۔ سیاسی ماحول نے بھی ان کے لیے سہولت کار کا کردار ادا کیا ہے۔ بون سیاسی سمجھوتہ جو 2001 میں ہوا وہ غیر موثر رہا ہے اور اس کے مقامی اور عالمی سیاست پر برے اثرات بھی مجموعی صورت حال کے حوالے سے پڑے ہیں۔ اور اب حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ نئی کشمکش کے

لیے میدان بالکل تیار نظر آتا ہے۔

طالبان کے حوالے سے ہماری معلومات کے محدود ہونے کے علاوہ جن دیگر عوامل پر بھی اس مقالے میں مباحث شامل کیے گئے ہیں قارئین کو واضح طور پر لگا ہوگا کہ یہ مباحث غیر تسلی بخش ہیں۔ جو معلومات اور تحقیقیں دستیاب تھیں ان کی روشنی میں کچھ مفروضے دے دیے گئے ہیں۔ یقیناً کرائے کے سپاہیوں کے طور پر لڑنا، غربت، پسماندگی، نسلی منافرتیں افغان تنازع میں اہم کردار کے حامل عوامل ہیں مگر یہ محوری عامل کسی طور پر قرار نہیں دیے جا سکتے۔ اس کے برعکس دیہی شہری تقسیم اور طاقت کے پرانے مراکز کی توڑ پھوڑ اور دیہی علاقوں پر اس کے نتیجے میں پڑنے والے اثرات اوپر مذکور عوامل سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں جن پر توجہ دی جانی چاہیے۔ طبقہ علما، ان کے اثرات، ان میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے حوالے سے بھی ہمارا مطالعہ اتنا محدود ہے کہ کسی فارمولیشن کے حوالے سے ہمارا معاون نہیں بن سکتا۔ اس حوالے سے مستند تحقیقات یقیناً مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ انفارمل گورننس کے مکینزم سے متعلق بھی ہماری معلومات محدود بلکہ سطحی ہیں۔ عالمی مداخلت کے حوالے سے مباحث میڈیا میں کثرت سے ہورہے ہیں مگر اس حوالے سے بھی سنجیدہ مطالعہ نہیں ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے مفید مطالعہ مستقبل کی مداخلتوں کے حوالے سے سبق آموز ہوسکتا ہے۔

حواشی

1۔ مثال کے لیے دیکھیے

"Afghanistan Study Group Report" (Washington: Center for the Study of the Presidency, 2008).

2۔ یہ بھی ضروری ہے کہ افغان سماج کی تفہیم اور اس کے فعال ڈھانچے کے حوالے سے بیرونی تفہیم کو ترقی دی جائے، لیکن اس مقالے میں جو لٹریچر شامل کیا گیا ہے، اس میں اس تفہیم کے حوالے سے لٹریچر کو شامل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس مقالے کے موضوع سے ہم آہنگ نہیں۔ تاہم یہاں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ باہری دنیا کی افغان سماج کی حرکیات سے متعلق جو تفہیمات ہیں وہ کئی حوالوں سے انتہائی ناقص ہیں اور اسی بنیاد پر افغان تنازع کی مکمل تفہیم میں بھی رکاوٹ ہیں۔

3۔ ...... یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ طالبان کی تعریف کیسے متعین کی جائے (دیکھیے باکس نمبر ایک)

4۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"If Only there Were Leaders: The Problem of 'Fixing' the Pashtun Tribes," in Rethinking the Swat Pathan, ed. M. Marsden and P. Hopkins (London: C. Hurst, forthcoming).

5۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"The Eye of the Storm: Cities in the Vortex of Afghanistan's Civil War" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2009).

6۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"Nation-building is Not for All: The Politics of Education in Afghanistan"

MashalBooks.org

(Berlin/Kabul: Afghanistan Analysts Network, May 2010).

7۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"The Eye of the Storm"; Hassan Kakar, Government and Society in Afghanistan (Austin: University of Texas Press, 1979)

اور Thomas Barfield کی کتاب

"Weak Links in a Rusty Chain," in Revolutions & Rebellions in Afghanistan: Anthropological Perspectives, edited by M. Nazif Mohib Shahrani and Robert L. Canfield (Berkeley: University of California Press, 1984).

8۔ دیکھیں William Maley کی کتاب

The Afghanistan Wars (New York: Palgrave Macmillan, 2002), 60.

9۔ دیکھیں Olivier Roy کی کتاب

Islam and Resistance in Afghanistan (Cambridge: Cambridge University Press, 1990)

اور Gilles Dorronsonro کی کتاب

Revolution Unending (London: C. Hurst, 2005).

10۔ دیکھیں Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 86-7.

11۔ دیکھیں Roy کی کتاب

Islam and Resistance; Amin Saikal, Modern Afghanistan (London: Tauris, 2006),188-9.

12۔ خلقی آئیڈیالوجی اس لیے جغرافیے کے بغیر کوئی آئیڈیالوجی نہیں تھی، مگر یہ اتنی محدود تھی کہ ٹھوس بنیادیں تشکیل نہ دے سکی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 86-87

اور Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 93.

13۔ Saikal کی کتاب

Modern Afghanistan, 188-189

اور Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 96

اور Giorgio Vercellin کی تصنیف

MashalBooks.org

Afghanistan 1973-78: dalla Repubblica Presidenziale alla Repubblica Democratrica (Venice: Universitá degli Studi, 1979).

14۔ Roy کا خیال ہے کہ نورستانیوں کی ابتدائی مزاحمت پرانی حکومت کے ساتھ اپنے اچھے تعلقات کی وجہ سے تھی، تاہم وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ابتدا میں جو مزاحمت نسلی اقلیتوں میں پھیلی اس نے پشتون انتظامیہ کی مخالفت کو سرد کر دیا، دیکھیے Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 104-5.

15۔ دیکھیے Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 101-2

اور Dorronsoro کی تصنیف

Revolution Unending, 97.

16۔ دیکھیے Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 106.

17۔ دیکھیے Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 103.

18۔ دیکھیے Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 86-7

19۔ اگرچہ یہ رحمٰن کے طریقوں کی یاد دلاتے ہیں، مگر رحمٰن اشخاص منتخب کرتے ہوئے ان کے تجربے کو ملحوظ رکھتا تھا۔ دیکھیے Louis Dupree کی تحریر

Contributions to American Universities Field Staff Reports, Southeast Asia Series, various years

اور Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 94

اور Michael Pohly کی تصنیف

Krieg und Widerstand in Afghanistan: Ursachen, Verlauf und Folgen seit 1978 (Berlin: Das Arabische Buch, 1992), 78-9.

20۔ دیکھیے Beverley Male کی کتاب

Revolutionary Afghanistan (London: Croom Helm, 1982), 196.

21۔ کابل اور لندن میں Parcham cadres کے ساتھ انٹرویوز (2008-09)

22۔ دیکھیے نعمت اللہ ابراہیمی کی کتابیں

"The Failure of a Clerical Proto-State: Hazarajat, 1979-1984" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2006)
"At the Sources of Factionalism and Civil War in Hazarajat" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2009)
"Divide and Rule: State Penetration in Hazarajat (Afghanistan) from the Monarchy to the Taleban" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2009).

23۔ دیکھیے David B. Edwards کی کتاب

Before Taliban: Genealogies of the Afghan Jihad (Berkeley: University of California Press, 2002), 132-133.

24۔ دیکھیے Richard Strand کی کتاب

"Nuristan," http://nuristan.info/index.html (accessed 16 January 2012).

25۔ ایک اور عامل جس کی مثال لٹریچر میں نہیں ملتی وہ یہ ہے کہ افغان ریاست کی ساخت جو ملوکیت (1880-1973) اور داؤد کی جمہوریت (1973-78) کے دور میں ابھری اس نے خانہ جنگی کے حوالے سے سہولت کار کا کردار ادا کیا۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 94-7.

26۔ نعمت اللہ نوجومی کی کتاب

The Rise of the Taliban in Afghanistan: Mass Mobilization, Civil War, and the Future of the Region (Basingstoke: Palgrave, 2002), 44-50.

27۔ دیکھیے Stathis Kalyvas کی کتاب

The Logic of Violence in Civil War (Cambridge: Cambridge University Press, 2006).

28۔ گاؤں کی یہ تعداد تازہ ترین تخمینوں کی بنیاد پر ہے۔

29۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Afghanistan: Transition Without End. An Analytical Narrative" (London : LSE Crisis States Research Centre, 2008).

30۔ دیکھیے Edwards کی کتاب

Before Taliban, 85.

31۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 105-6.

MashalBooks.org

32۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending 96.

33۔ دیکھیے Aleksandr Lyakhovskii کی کتاب

Tragediya i doblest' Afgana (Moscow : Iskona, 1995)

اور M. F. Slinkin کی کتاب

Narodno-demokraticheskaya partiya Afganistana y vlasti; vremya Taraki-Amina (1978-1979 gg) (Simferopol: Kultura Narod, 1999).

34۔ دیکھیے حسن کاکڑ کی کتاب

Afghanistan: The Soviet Invasion and the Afghan Response, 1979-1982 (Berkeley: University of California Press, 1995), 32-3.

35۔ دیکھیے کاکڑ کی کتاب

Afghanistan,194

36۔ دیکھیے Thomas T. Hammond کی کتاب

Red Flag Over Afghanistan: The Communist Coup, the Soviet Invasion, and the Consequences (Boulder: Westview Press, 1984)

اور Joseph J. Collins کی کتاب

The Soviet Invasion of Afghanistan: A Study in the Use of Force in Soviet Foreign Policy (Lexington: Lexington Books, 1986)

اور Henry S. Bradsher کی کتاب

Afghan Communism and Soviet Intervention (New York: Oxford University Press, 1999).

37۔ دیکھیے Olivier Roy کی کتاب

Afghanistan: From Holy War to Civil War (Princeton: Darwin Press, 1995)

اور Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending.

38۔ دیکھیے کاکڑ کی کتاب

Afghanistan

Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 118-9.

39۔ Lager کے حوالے سے دیکھیں کاکڑ کی کتاب

Afghanistan, 138-9

Pech کے معاملے میں دیکھیں Edwards کی کتاب

Before Taliban, 132-3.

40۔ اس حوالے سے نزاع موجود ہے کہ کس طرح مختلف کمزور مسلح اپوزیشن پارٹیوں اور تنظیموں نے 1980 کے بعد طاقت پکڑنا شروع کی۔ اسی طرح یہ بھی غیر واضح ہے کہ ان تنظیموں نے عام لوگوں میں کیسے اپنی جڑیں مضبوط کیں، کس طرح بھرتیاں ہوئیں اور کس طرح یہ تنظیمیں اپنی کارروائیاں کرتی تھیں۔

41۔ دیکھیے Roy کی کتاب

Islam and Resistance

Olivier Roy کی کتاب

"Nature de la guerre en Afghanistan," Les Temps Modernes, June 1988

Olivier Roy کی کتاب

"Afghanistan: La guerre comme facteur du passage au politique," Revue Française des Sciences Politiques, December 1989.

Antonio Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud: Wars and Warlords of Afghanistan (London and New York: C. Hurst and Columbia University Press, 2009), 43-4.

42۔ دیکھیے Viktor Spolnikov کی کتاب

Afganistan: Islamskaya kontrrevolutsiya (Moscow: Akademiya Nauk SSSR, 1987).

43۔ دیکھیے Barnett R. Rubin کی کتاب

The Fragmentation of Afghanistan (New Haven: Yale University Press, 1995).

44۔ دیکھیے Abdulkedr Sinno کی کتاب

Organizations at War in Afghanistan and Beyond (Ithaca: Cornell University Press, 2008).

45۔ 1980 کی مزاحمت کے دوران سرگرم اسلام پسند اور ماؤ نواز کارکنوں کے انٹرویو اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

Roy کی کتاب

Islam and Resistance, 98-9.

46۔ دیکھیے Michael Bhatia اور Mark Sedra کی کتاب

Afghanistan, Arms and Conflict (London : Routledge, 2008).

47۔ دیکھیے Maley کی کتاب

Afghanistan Wars, 194-5.

48۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud.

49۔ شمال مشرقی افغانستان کے ایک ملیشیا کمانڈر نے دعوی کیا کہ ان میں زیادہ تر ازبک تھے۔

50۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud.

51۔ مثال کے طور پر دیکھیں Roy کی کتاب

Islam and Resistance

اور Sinno کی کتاب

Organizations at War.

52۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 245.

53۔ دیکھیے سابقہ مجاہد کمانڈروں کے انٹرویوز جو کابل، ہرات، قندھار، گردیز، فریاب، کندوز میں 09-2005 کے درمیان لیے گئے۔

اور Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud, 58-9, 221-2.

54۔ ہزارہ جات کے کیس میں دیکھیے ابراہیمی کی کتابیں

"The Failure"; "At the Sources"; "Divide and Rule."

55۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

War, Politics and Society in Afghanistan, 1978-1992 (London and Georgetown: C. Hurst and Georgetown University Press, 2000),178-80

اور Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 201-2.

56۔ دیکھیے Ibrahimi کی کتاب

"At the Sources."

57۔ دیکھیے ایم ابراہیمی، وارساجی کی کتاب

Jihad-e Afghanistan wa Jang-e Sard-e Qodrathai Bozorg [Afghanistan Jihad and Great Power's Cold War] (Peshawar: Saboor Islamic Publications Centre, 1381), vol. 1, 154-9, 372-7, 389 and 761-3.

58۔ دیکھیے وارساجی کی کتاب

Jihad-e Afghanistan, vol. II, 106-7.

59۔ دیکھیے وارساجی کی کتاب

Jihad-e Afghanistan, vol. II, 308-11.

60۔ دیکھیے عبدالحمید مبارز کی کتاب

Hqayeq wa Tahlil-e Waqaye'a Siasi Afghanistan: az Soqut-e Saltanat ta Ijraat-e Taliba, 1973-1999 [Facts and Analysis of Political Events of Afghanistan: From the Fall of Monarchy to the Rise of Taliban, 1973-1999] (Kabul: Maiwand Publishers, 1378), 54-59.

61۔ دیکھیے سید محمد باقر مصباح زادہ کی کتاب

Afghanistan Qurbani Rofaqa wa Bratheran [Afghanistan: victim of comrades and brothers] (Mashhad Iran: Sanabad Publishers, 1378), 20-3.

62۔ دیکھیے مصباح زادہ کی کتاب

Afghanistan Qurbani, 24-6.

63۔ اس نظریے کے مطابق خلق اور پرچم میں پارٹی کی تقسیم غیر پشتونوں کو ماؤسٹ نظریات کی جانب راغب ہونے سے روکنا تھا، اس کے بعد سوویت اپنا اثرورسوخ کھوتے گئے اور دونوں گروہ آپس میں لڑ پڑے۔

64۔ دیکھیے لالستانی کی کتاب

Jang-e Qodrat: Waqaia Sey Dahe Akhir Afghanistan [Power Struggle: Events of the Last Three Decades in Afghanisan] (Kabul: Publisher unknown, 1384), 7, 12, 18-26, 127-8

امیر اعتماد دانش یار کی کتاب

Jang-e Afghanistan wa Shoravi, Amil Fropashi Jahni Kamonism [Afghan-Soviet War, the Cause of Global Collapse of Communism] (Tehran: Bahinah Publishers, 1371), 44-7, 75-7, 123-5

MashalBooks.org

ایم اکرام، اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz wa Muqawimat [Years of Invasion and Resistance] (Nashr-e Paiman, 1383), 2-3, 5, 69

Nasry حق شناس کی کتاب

Tahawulat-e Siasi Jihad-e Afghanistan [Political Developments of Jihad in Afghanistan] (Kabul: Namani Publishers, 1385), vol. 1, 8, 12, 20-1, 23, vol. 2, 5, 50-2, 463-7

مصباح زادہ کی کتاب

Afghanistan Qurbani, 62-5.

65۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 19

حق شناس کی کتاب

Tahawulat-e Siasi, vol. 1, 8, 12, 20-1, 23, vol. 2, 5, 50-2, 463-7

لالستانی کی کتاب

Jang-e Qodrat, 174-7, 187,

66۔ دیکھیے مصباح زادہ کی کتاب

Afghanistan Qurbani,112-5.

67۔ دیکھیے مصباح زادہ کی کتاب

Afghanistan Qurbani, 139-410.

68۔ دیکھیے مصباح زادہ کی کتاب

Afghanistan Qurbani, 161-5.

69۔ دیکھیے لالستانی کی کتاب

Jang-e Qodrat, 30-55.

70۔ دیکھیے کبیر رنجبار کی کتاب

Mosaleha way a Dame Jang [Peace or Continuation of War] (Kabul: Government Printing Press, 1989), 2-6.

71۔ دیکھیے حق شناس کی کتاب

Tahawulat-e Siasi, vol. I, 442-58.

72۔ دیکھیے وارساجی کی کتاب

Jihad-e Afghanistan, vol. I, 161-3.

MashalBooks.org

73۔ دیکھیے وارساجی کی کتاب

جہادافغانستان vol. II, 317-8.

74۔ دیکھیے وارساجی کی کتاب

جہادافغانستان vol. II, 474-7.

75۔ دیکھیے Giustozzi کا مقالہ

"Cycles of War and Peace in Afghanistan: Understanding the Political Economy of Conflict" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2010)

اور دیکھیے Jonathan Goodhand اور David Mansfield کا مقالہ

"Drugs and (Dis)Order: A Study of the Opium Trade, Political Settlements and State-Making in Afghanistan" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2010)

اور دیکھیے Alex De Waal کی تحریر

"Mission without end? Peacekeeping in the African political Marketplace," International Affairs 85, no. 1 (2009), 99-113.

76۔ دیکھیے G. Dorronsoro کی کتاب

"Afghanistan: des réseaux de solidarité aux espaces régionaux," in Économie des Guerres Civiles ed. F. Jean and J-C.Rufin, 147-88 (Paris: Hachette, 1996)

اور دیکھیے Barnett R. Rubin کی کتاب

"The Political Economy of War and Peace in Afghanistan," World Development 28, no. 10 (2000), 1789-1803

اور دیکھیے Alain Labrousse کی کتاب

Afghanistan: Opium de Guerre, Opium de Paix (Paris : Fayard, 2005), 97-8

اور دیکھیے Jonathan Goodhand کی کتاب

"From Holy War to Opium War? A Case Study of the Opium Economy in North Eastern Afghanistan" (Manchester: IDPM, University of Manchester, 1999)

اور دیکھیے Antonio Giustozzi اور Noor Ullah کی کتاب

"'Tribes' and Warlords in Southern Afghanistan, 1980-2005," in Mercenaries, Pirates, Bandits and Empires: Private Violence in Historical Context, eds. Alejandro Colás and Bryan Mabee (London: Hurst, 2010).

MashalBooks.org

77۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud.

78۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud.

79۔ دیکھیے Bhatia اور Sedra کی کتاب

Afghanistan.

80۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"The Demodernisation of an Army: Northern Afghanistan 1992-1998," Small Wars and Insurgencies 1, no. 15 (2004), 1-18.

81۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"Cycles of War and Peace."

82۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud.

83۔1979 میں ہزارہ جات کو عملاً خودمختاری حاصل ہوگئی تھی مگر اس سے پہلے ہی80 کی دہائی میں یہ آثار واضح تھے کہ اگر افغانستان کی سیاسی مرکزیت بدحالی کا شکار ہوئی تو ملک کی تقدیر کیا رخ اختیار کرے گی۔ پہلی جنگ مذہبی طبقے کی سیکولر بڑوں کی ساتھ ہوئی،اس کے بعد پروخوئی اور خمینی ازم کے پیروؤں کے درمیان جنگ ہوئی ، اس کے بعد خمینیوں کے کچھ دھڑے لڑ پڑے1988 میں ایران نے مداخلت کر کے ان دھڑوں کے درمیان صلح کرائی۔ خمینی دھڑوں میں دوسری خانہ جنگی کا آغاز1993 میں ہوا،جسکی وجہ کچھ دھڑوں کے ربانی کے ساتھ تعلقات بنے۔ یاد رہے کہ ربانی جمیعت اسلامی کے سربراہ تھے۔

84۔ دیکھیے Sylvie Gelinas کی کتاب

Afghanistan du Communisme au Fondamentalisme (Paris: L'Harmattan, 2000)

اور دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud.

85-On the pre-2001 period and the literature see 3.1 and 4.1 above.

86۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

"Afghanistan'

MashalBooks.org

حزب اسلامی کے حوالے سے دیکھیے ابراہیمی کی کتابیں

"The Failure"; "At the Sources"; "Divide and Rule."

87۔ دیکھیے وارساجی کی کتاب

جہاد افغانستان vol. II, 512-38, 646-651

اور دیکھیے حق شناس کی کتاب

Tahawulat-e Siasi, vol. II, 46-62.

88۔ دیکھیے مبارز کی کتاب

Hqayeq wa Tahlil-e Waqaye'a Siasi Afghanistan, 31-40.

89۔ دیکھیے مبارز کی کتاب

Hqayeq wa Tahlil-e Waqaye'a Siasi Afghanistan, 47-48.

90۔ دیکھیے مبارز کی کتاب

Hqayeq wa Tahlil-e Waqaye'a Siasi Afghanistan, 112-123.

91۔ دیکھیے حق شناس کی کتاب

Tahawulat-e Siasi, vol. II, 101-3, 213-8

92۔ دیکھیے منصور کی کتاب

A'lami Naw A'dami Naw [New World New Man] (Kabul: Publication of Hizb-e Mardum-e Musalman-e Afghanistan, 1388), 91-145.

93۔ دیکھیے احمد رشید کی کتاب

Taliban (London: Tauris, 2000), 159.

94۔ دیکھیے عبدالسلام ضعیف کی کتاب

My Life With the Taliban (C. Hurst: London, 2010).

95۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 243-4.

96۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending, 267

دیکھیے رشید کی کتاب

Taliban

دیکھیے Michael Griffin کی کتاب

Reaping the Whirlwind: The Taliban Movement in Afghanistan (London: Pluto Press, 2001).

MashalBooks.org

97۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud

دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"The Taliban Beyond the Pashtuns" (Waterloo, Ontario: CIGI, 2010).

98۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Beyond the Pashtuns"

دیکھیے Antonio Giustozzi اور Christoph Reuter کی کتاب

"The Northern Front: The Afghan insurgency spreading beyond the Pashtuns" (Kabul: Afghanistan Analysts Network, 2010).

99۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud, 281-2.

100۔ امریکی عہدیداروں نے حال ہی میں بی بی سی کو دیے گئے انٹرویوز میں اس کی تصدیق کی ہے دیکھیے

(BBC 2, "Secret Pakistan," 26 October and 2 November 2011).

101۔ دیکھیے رشید کی کتاب

Taliban

دیکھیے Brynjar Lia کی کتاب

Architect of Global Jihad (London: C. Hurst, 2008).

102۔ دیکھیے Anthony Davis کی کتاب

"How the Taliban Became a Military Force," in Fundamentalism Reborn?, ed. William Maley, (London: C. Hurst, 1998).

103۔ دیکھیے Steve Coll کی کتاب

Ghost Wars (New York: Penguin, 2004).

104۔ دیکھیے Parry P. Goodson کی کتاب

Afghanistan's Endless War (Seattle, WA: University of Washington Press, 2001),123-4.

105۔ موجودہ لٹریچر اس بات کی وضاحت نہیں کرتا اور عموما کہہ دیا جاتا ہے کہ طالبان نے افغان اکثریت کی جنگ سے بیزاری کو اپنے حق میں استعمال کیا اور اس کے لیے انہیں یقین دلایا کہ وہ افغانستان میں امن کے قیام کے خواہاں ہیں......لیکن حقیقت یہ ہے کہ

MashalBooks.org

1997 تک وہ جنگی فرقے میں ڈھل چکے تھے جن کا مقصد زیادہ سے زیادہ طاقت کا حصول اور اپنی زمینی حدوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا تھا۔

106۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Beyond the Pashtuns."

107۔ دیکھیے Vanda Felbab-Brown کی کتاب

"Afghanistan: When Counternarcotics Undermines Counterterrorism," The Washington Quarterly 28, no. 4 (2005), 55-72.

108۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 45.

109۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 83.

110۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 273, 276.

111۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 189-90.

112۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 206-16.

113۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 223-26.

114۔ دیکھیے Mubariz کی کتاب

Hqayeq wa Tahlil-e Waqaye'a Siasi Afghanistan, 225-230.

115۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

"Afghanistan: des réseaux"; Rubin, "The Political Economy"

اور Giustozzi اور Ullah کی کتاب

"'Tribes' and Warlords in Southern Afghanistan."

116۔ دیکھیے Dorronsoro کی کتاب

"Afghanistan: des réseaux"

اور Rubin کی کتاب

"The Political Economy"

اورLabrousse کی کتاب

Afghanistan, 127-6.

بہت سے وارلارڈز جو اس منصوبے میں یہ سوچ کر شامل ہوئے کہ دوران جنگ انہیں دولت اور طاقت دونوں میں گی۔ طالبان نے بھی نئے نظم میں ان کو کردار دینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔

117۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Cycles of War"

اور Rubin کی کتاب

"The Political Economy."

118۔ اتنے بڑے پیمانے پر انتظامی امور کے ماہرین کا انتخاب عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ صدر کرزائی اور اسکے وزرا اور محکموں کے سربراہ اچھی کارکردگی نہیں دکھا سکے، جنہوں نے اکثر ہی کمزور گورنر تعینات کیے۔ حکومت کے مقامی نمائندوں کو بھی نظر انداز کیا گیا۔

119۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud.

120۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Nation-Building."

121۔ علاوہ ازیں دیکھیے

"Afghanistan: Maternal Mortality in Northeastern Afghanistan among Worst in World," IRIN, 16 February 2007

"Afghanistan: Overstretched Health Services in Kandahar Province," IRIN, 17 September, 2009

Klaus Morales, "Rebuilding Afghanistan's health service is hampered by insecurity and lack of funds,"

British Medical Journal 331 (2005), 1164

Schuyler Geller, "Department of Defense Bloggers Roundtable: Afghanistan National Security Forces Health Care Capability Development

Formation Of Formal Military Medical And Allied Health Care Training Programs" (Washington, DC: United States Department of Defense, 23 June 2010)

Schuyler Geller, "Department Of Defense Bloggers Roundtable: Medical

MashalBooks.org

Manual Mentoring Training in Afghanistan" (Washington, DC: United States Department of Defense, 2010).

122۔ Antonio Giustozzi اور Mohammed Ishaqzadeh

"Afghanistan's Paramilitary Policing in Context" (Kabul: Afghanistan Analysts Network, forthcoming)

اور دیکھیے Andrew Wilder کی کتاب

"Cops or Robbers?" (Kabul: Afghanistan Research and Evaluation Unit, 2007).

123۔ Antonio Giustozzi اور نوراللہ کی کتاب

"The Inverted Cycle: Kabul and the Strongmen's Competition for Control over Kandahar, 2001-2006," Central Asian Survey 2 (2007).

124۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud

125۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Bureaucratic façade"

اور Antonio Giustozzi کی کتاب

"Military reform in Afghanistan," in Afghanistan: Assessing the Progress of Security Sector Reforms, ed. Mark Sedra, (Bonn: International Center for Conversion, 2003).

126۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

The Art of Coercion (London: Hurst, 2011).

127۔ دیکھیے Giustozzi اور عشق زادے کی کتاب

"Policing Afghanistan."

128۔ دیکھیے Giustozzi اور عشق زادے کی کتاب

"Policing Afghanistan"

اور Giustozzi اور Reuter کی کتاب

"The Northern Front."

129۔ دیکھیے Giustozzi اور Reuter کی کتاب

"The Northern Front"

اور دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop: The Neo-Taliban Insurgency in Afghanistan 2002-2007 (London and New York: C. Hurst and Columbia University Press, 2007), 171.

130۔ کرزائی کی اپنی رائے جاننے کے لیے دیکھے

"Helmand Ex-Governor Joins Karzai Blame Game," IWPR, 3 March 2008.

131۔ دیکھیے نقشہ جات

اوریجنل نقشوں میں اقوام متحدہ کے سکیورٹی سے متعلق تخمینے مختلف رنگوں میں تھے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

Red (extreme risk) = 4
mixed Red and others 3.5
orange (high risk) 3

mixed orange and light orange/white = 2.5

light orange (medium risk) = 2
mixed light orange/white = 1.5
white (low or no risk) = 1

132۔ پکتیا صوبے کے بڑوں کے انٹرویو 2006-07 اور David Mansfield کے ساتھ ذاتی ملاقات، جنہوں نے ننگرہار صوبے کا دورہ کیا October 2010

133۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"Armed Politics and Political Competition in Afghanistan," in The Peace in Between: Post-War Violence and Peacebuilding, eds. Astri Suhrke and Mats Berdal (London: Routledge, forthcoming)

اور Antonio Giustozzi کی کتاب

"Afghanistan: Political Parties or Militia Fronts?" in Transforming Rebel Movements after Civil Wars, ed. J. de Zeeuw, (Boulder, CO: Lynne Reinner, 2007).

134۔ دیکھیے حق شناس کی کتاب

Tahawulat-e Siasi, vol 3, 482-504, 511-19.

135۔ دیکھیے منصور کی کتاب

A'lami Naw A'dami Naw [New World New Man] (Kabul: Hizb-e Mardum-e Musalman-e Afghanistan 1388).

MashalBooks.org

136۔ دیکھیے منصور کی کتاب

A'lami Naw A'dami Naw, 17-29

137۔ دیکھیے اندشمند کی کتاب

Salhai Tajawuz, 131-5, 146.

138۔ دیکھیے لالستانی کی کتاب

Jang-e Qodrat, 447-49.

139۔ دیکھیے انوارالحق احدی کی کتاب

"Zawal-e pashtunha dar Afghanistan" [The Decline of Pashtuns in Afghanistan], in Hal-e munasebat-e tabari dar Afghanistan [Resolution of Ethnic Relations in Afghanistan], (Kabul: Hizb-e Mardum-e Musalman-e Afghanistan, 1386), 32-34.

140۔ دیکھیے ڈاکٹر لال زاد کی کتاب

"Huweyat, millat wa nasionalism dar asr-e hazir" [Identity, Nation and Nationalism in Present Age], in Hal-e munasebat-e tabari dar afghanistan [Resolution of Ethnic Relations in Afghanistan], (Kabul: Hizb-e Mardum-e Musalman-e Afghanistan, 1386), 43-44.

141۔ دیکھیے لال زاد کی کتاب

"Huweyat, millat wa nasionalism dar asr-e hazir," 51-66.

142۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Empires of Mud

اور Dorronsoro کی کتاب

Revolution Unending.

143۔ یہ نظریہ کہ تنازع کی بنیادی وجہ قبائلی دشمنیاں ہیں، اس کا معروف ورژن 2007 میں Johnson اور Mason کی جانب سے پیش کیا گیا جس میں ان کا کہنا تھا کہ طالبان غلزئی قبائل پر مشتمل بغاوت کا نام ہیں۔ اب اس تھیسس کے مصنفین نے بھی یہ تصور ترک کر دیا ہے، کیونکہ اب زیادہ مستند معلومات آن ریکارڈ ہیں۔ دیکھیے Thomas Johnson اور Chris Mason کی کتاب

"Understanding the Taliban and Insurgency in Afghanistan," Orbis (winter, 2007), 71-89.

144۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"Auxiliary Irregular Forces in Afghanistan: 1978-2008," in Making Sense of Proxy Warfare: States, Surrogates, and the Use of Force, ed. M. Innes, (Dulles, VA: Potomac Books, forthcoming), 118-9.

145۔ دیکھیے Mathieu Lefèbvre کی کتاب

"Local Defence in Afghanistan: A Review of Government-backed Initiatives" (Kabul: Afghanistan Analysts Network, 2010)

اور دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop.

146۔ اگرچہ تفصیلی شواہد موجود نہیں تاہم جنوب مشرقی افغانستان کے حوالے سے ایسا کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے علاقے طالبان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس حوالے سے کوئی شدید ردعمل بھی سامنے نہیں آیا تھا۔اس بات پر یقین کرنا مشکل ہے کہ بی 52اور اے ایچ64کے خطرے کے باوجود طالبان لڑنے پر تیار تھے۔ دیکھیے محمد طارق عثمان کی کتاب

"The Tribal Security System (Arbaki) in Southeast Afghanistan" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2008)

اور Antonio Giustozzi کی کتاب

Decoding the New Taliban: Insights from the Afghan Field (London and New York: C. Hurst and Columbia University Press, 2009), 294

147۔ ڈی موبلائزیشن کا عمل اکثر وبیشتر فوجی شکست کی وجہ سے ہوا۔

148۔ اقوام متحدہ کے اہلکاروں اور مختلف بین الاقوامی تنظیموں کے حکام جو 2008-2010 کے دوران ہرات میں متعین تھے ان سے ذاتی ملاقاتیں اور Martine van Bijlert کا مضمون

"Unruly Commanders and Violent Power Struggles: Taliban Networks in Uruzgan," in Decoding the New Taliban, ed. Antonio Giustozzi (London: Hurst, 2009)

149۔ ملیشیا کی اصطلاح ایساف اور افغان حکام دونوں ہی استعمال نہیں کرتے کیونکہ یہ افغانستان سے متعلق ناگوار یادوں کو تازہ کرتی ہے۔

150۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Auxiliary Irregular Forces"; Lefebvre, "Local Defence."

151۔ دیکھیے Osman کی کتاب

MashalBooks.org

"Tribal security"

Suzanne Schmeidl اور مسعود کاروخلیں کی کتاب

"The Role of Non-State Actors in 'Community-Based Policing' - An Exploration of the Arbakai (Tribal Police) in Southeastern Afghanistan," Contemporary Security Policy 30, no. 2 (2009), 318-342

اور Lefebvre کی کتاب

"Local Defence."

152۔ دیکھیے Lefebvre کی کتاب

"Local Defence."

153۔ دیکھیے Lefebvre کی کتاب

"Local Defence."

154۔ دیکھیے Edwards کی کتاب

Before Taliban.

155۔ دیکھیے وزارت مالیات کا ڈونر فنانشل ریویو (Kabul: GIRoA, 2009)

156۔ دیکھیے Adam Pain کی کتاب

"Afghanistan Livelihood Trajectories: Evidence from Kandahar" (Kabul: Afghanistan Research And Evaluation Unit, 2010).

157۔ مکمل ڈیٹا کے لیے دیکھیے

"Afghan Media in 2010: Synthesis Report" (Kabul: Altai, 2010).

158۔ دیکھیے Gretchen Peters کی کتاب

Seeds of Terror (New York: St. Martin's Press, 2009).

159۔ دیکھیے Pierre-Arnaud Chouvy کی کتاب

Opium (London: Tauris, 2009), 120-3

دیکھیے David Macdonald کی کتاب

Drugs in Afghanistan (London: Pluto Press, 2007), 80-1

دیکھیے Justin Mankin کی کتاب

"Gaming the System: How Afghan Opium Underpins Local Power," Journal of International Affairs 63, no. 1 (2009).

160۔ دیکھیے Labrousse کی کتاب

Afghanistan, 187-8

MashalBooks.org

دیکھیے Macdonald کی کتاب

Drugs, 110-1.

161۔ دیکھیے Geert Gompelman کی کتاب

"Winning Hearts and Minds? Examining the Relationship between Aid and Security in Afghanistan's Faryab Province" (Boston: Tufts, 2011), 30-1

دیکھیے Paul Fishtein کی کتاب

"Winning Hearts and Minds? Examining the Relationship between Aid and Security in Afghanistan's Balkh Province" (Boston: Tufts, 2010), 28-9

"Winning 'Hearts and Minds' in Afghanistan: Assessing the Effectiveness of Development Aid in COIN Operations" (Wilton Park: March 2010).

162۔ دیکھیے Jean MacKenzie کی کتاب

"Who is funding the Afghan Taliban? You don't want to know," GlobalPost, 13 August 2009.

163۔ 2010 میں ایساف نے ان فنڈز کی بابت ایک تفتیش کا آغاز کیا جو جنوبی افغانستان میں پروٹیکشن منی کے طور پر طالبان کے پاس جارہا تھا۔ دیکھیے C.M. Sennott کی کتاب

"Taxpayer money funneled to Taliban," GlobalPost, 30 September 2010

USAID Office of Inspector General کا

"Review of Security Costs Charged to USAID Projects in Afghanistan (Review Report No. 5-306-10-002-S)," 29 September 2009

Jonathan Owen کی تحقیق

"Army launches investigation: Corrupt Afghans stealing millions from aid funds," The Independent, 7 March 2010.

164۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"Afghanistan: 'friction' between civilizations," in The Borders of Islam: Exploring Huntington"s Faultlines, from Al-Andalus to the Virtual Ummah, eds. Stig Jarle Hansen, Atle Mesøy, and Tuncay Kardas (London: Hurst, 2009).

165۔ دیکھیے سیکشن 3.2 جس میں روسی آرمی کے افغانستان میں داخلے کے وقت کا تقابل امریکی آرمی کے اوکی ناوا، ساؤتھ کوریا اور جرمنی میں داخلے سے کیا گیا ہے۔

MashalBooks.org

166۔ دیکھیے سفارتی ذرائع، کابل 2009-10

اور Greg Bruno اور Lionel Beehner کی کتاب

"Iran and the Future of Afghanistan" (Washington, DC: Council on Foreign Relations, 2009).

167۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop.

168۔ دیکھیے Talatbek Masadykov، Antonio Giustozzi اور James Michael کا پیپر

"Negotiating with the Taliban" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2009)

اور James Fergusson کی کتاب

Taliban (London: Bantam Press, 2010)

اور Michael Hughes کے انٹرویوز

"Interview with Former Asst. Secretary of State Dobbins: Afghanistan's Diplomatic Dilemmas," Huffington Post, 17 December 2009

Mary Sack, "An Interview with Lakhdar Brahimi," Journal of International Affairs, August 2005.

169۔ دیکھیے احمد رشید کی کتاب

Descent into Chaos (London: Penguin, 2008)

اور James Dobbins کی کتاب

After the Taliban: Nation-building in Afghanistan (Washington, DC: Potomac Books, 2008).

170۔ دیکھیے Thomas Ruttig کی کتاب

"Loya Paktya's insurgency," in Decoding the New Taliban, ed, Antonio Giustozzi (London: C. Hurst, 2009).

171۔ دیکھیے رشید کی کتاب

Descent, 219-20

اور Matt Waldman کی کتاب

"The Sun in the Sky" (London: LSE Crisis States Research Centre, 2010).

172۔ ان کی بھرتی کا بنیادی میدان پاکستان مدرسے رہے ہیں۔

MashalBooks.org

173۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب
Koran, Kalashnikov and Laptop.

174۔ دیکھیے Luke N. Condra، Joseph H. Felter، Radha K. Iyengar اور Jacob Shapiro کی کتاب
The Effect of Civilian Casualties in

175۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب
Koran, Kalashnikov and Laptop, 50-1

دیکھیے Thomas Ruttig کی کتاب
"How Tribal Are the Taleban?" (Kabul: Afghanistan Analysts Network, 2010).

176۔ سنٹرل ہلمند، قندھار شہر کے ارد گرد موجود اضلاع اور ارزغان کے کچھ علاقوں کے حوالے سے۔ محدود سہی پر اس حوالے سے بھی شواہد اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ طالبان کو زیبل، قندھار کے دور دراز علاقوں، پکتیکا کے کچھ حصوں، پکتیا، خوست اور کنڑ اور کندوز میں بھی کمیونٹی موبلائزیشن کے حوالے سے کامیابی حاصل ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے Giustozzi کی کتاب
Koran, Kalashnikov and Laptop

دیکھیے Giustozzi کی کتاب
Decoding the New Taliban.

177۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب
Koran, Kalashnikov and Laptop.

178۔ دیکھیے Giustozzi اور Reuter کی کتاب
"The Northern Front."

179۔ امریکی محکمہ دفاع کے حکام کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2010
برطانوی افواج کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2010

180۔ اس حوالے سے معلومات دستیاب ہیں کہ امدادی رقوم کا بڑا حصہ کابل پر خرچ ہوا جبکہ دیگر صوبوں کے حوالے سے اور خاص طور پر کچھ مخصوص صوبوں کو اس رقم سے حصہ ملنے کے شواہد بہت محدود ہیں۔ اس عمل نے لیڈروں کے درمیان مخاصمت کو اور بھی بڑھا دیا اور وہ

MashalBooks.org

جتنا حصہ بٹور سکتے تھے اسی کہ لیے ہمہ تن کوشش کرنے لگے۔

181۔ اقوام متحدہ کے حکام کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2003-04

پکتیا کے بڑوں کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2006

182۔ دیکھیے Sarah Ladbury کی کتاب

"Helmand Justice Mapping Study" (London: Department for International Development, 2010).

183۔ اقوام متحدہ کے حکام کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2008

184۔ پولیس کا برا رویہ 1978-79 کی نسبت اب بھی محدود ہے

185۔ اخباری رپورٹیں اور افغان بڑوں اور عام شہریوں کے انٹرویوز اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

186۔ طالبان کمانڈرز اور افغان ایلڈرز سے انٹرویوز 2011 ۔ دوسری جانب افغان حکومت بمشکل ہی دیہاتی سطح پر نظر آتی ہے اور اس کا سارا انحصار سرکاری ماس میڈیا کے ذریعے جاری پروپیگنڈے پر ہے، جسے شاذ ہی سامعین ملتے ہیں جبکہ کمرشل میڈیا حکومتی نقطہ نظر کا حامی نظر نہیں آتا۔

187۔ ایساف حکام کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2009-10

188۔ دیکھیے سمیع یوسف زئی کی کتاب

"The Taliban in Their Own Words," The Daily Beast, 25 September 2009

Felix Kuehn اور Alex Strick van Linschoten کی کتاب

An Enemy We Created (London: C. Hurst, 2012), chapter 7.3.

189۔ دیکھیے Giustozzi اور Reuter کی کتاب

"The Northern Front."

190۔ ان میں سے کچھ کے ساتھ مصنف کا ان تمام سالوں میں تعلق رہا ہے جبکہ کچھ کے انٹرویوز مختلف محققین نے کیے ہیں، مگر اس حوالے سے احساسات اور تاثرات جاننے کی مربوط کوششیں نہیں ہوئیں۔

191۔ ایساف حکام کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2009-10

نیویارک پوسٹ کی 14 نومبر 2010 کی خبر

"Taliban Dying Young,"

MashalBooks.org

192۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

Negotiating with the Taliban: Issues and Prospects (New York: The Century Foundation, 2010).

193۔ اقوام متحدہ حکام کے ساتھ کابل میں ذاتی ملاقاتیں اپریل 2010.....شواہد عکاس ہیں کہ ان علاقوں می طالبان نے موقع پرست عناصر پر زیادہ انحصار کیا بنسبت ان علاقوں کہ جہاں تحریک مزاحمت زوروں پر ہے۔ بغلان اور ہرات میں جمعیت کے بھگوڑوں اور 2006 قندھار میں جرائم پیشہ عناصر پر انحصار کے شواہد موجود ہیں۔

194۔ دیکھیے Fergusson کی کتاب

Taliban

دیکھیے Matt Waldman کی کتاب

"Golden Surrender" (Kabul: Afghanistan Analysts Network, 2010)

دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop

دیکھیے Giustozzi اور Reuter کی کتاب

"The Northern Front."

195۔ ایساف حکام کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2010

196۔ دیکھیے Sarah Ladbury کی کتاب

"Testing Hypotheses on Radicalisation In Afghanistan" (London: Department for International Development, 2009)

اور Waldman کی کتاب

"Golden Surrender."

197۔ دیکھیے

"Afghanistan expects bloody 2009," Agence France-Presse, 5 January 2009

دیکھیے Jason Straziuso کی کتاب

"Record 151 U.S. troops die in Afghanistan in 2008," Associated Press, December 31, 2008

دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop.

198۔ دیکھیے Giustozzi اور Ishaqzadeh کی کتاب

MashalBooks.org

"Policing Afghanistan"

دیکھیےWilder

"Cops or Robbers?"

199۔ دیکھیےAntonio Giustozzi کی کتاب

"Auxiliary Force or National Army? Afghanistan's 'ANA' and the Counter-insurgency Effort, 2002-

200۔ دیکھیےJeremy M. Weinstein کی کتاب

Inside Rebellion (Cambridge: Cambridge University Press, 2007)

اور دیکھیےDavid Kilcullen کی کتاب

The Accidental Guerrilla (Oxford: Oxford University Press, 2009).

201۔ دیکھیےLadbury کی کتاب

"Testing Hypotheses on Radicalisation."

202۔ یہ معاملہ نمایاں طور پر پشتون بیلٹ کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے۔ شمالی افغانستان میں بھی کچھ ایسے حصے ہیں جہاں سپورٹ حاصل ہے۔ دیکھیےGiustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop, section 2.4.

203۔ دیکھیے Jeffrey Dressler اور Carl Forsberg کی کتاب

"The Quetta Shura" (Washington: Institute for the Study of War, 2009).

204۔ دیکھیےGiustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop, 43-4.

205۔ دیکھیےDorronsoro کی کتاب

Revolution Unending.

206۔ دیکھیےGiustozzi کی کتاب

"Nation-building."

207۔ دیکھیے میر وارث واردک، ادریس زمان اور کنشکا نوابی کی کتاب

"The Role And Functions of Religious Civil Society in Afghanistan" (Kabul: Cooperation for Peace and Unity, 2007)

اور Kaja Borchgrevink کی کتاب

"Religious Actors and Civil Society in Post-2001 Afghanistan" (Oslo: PRIO, 2008).

MashalBooks.org

208۔ دیکھیے Nicole M. Warren کی کتاب

"Madrassa Education in Pakistan: Assisting the Taliban's Resurgence" (Newport, RI: Salve Regina University, 2009)

اس حوالے سے سروے آف لٹریچر کی یہ رپورٹ بھی دیکھیے

"Pakistan: Karachi's madrassas And Violent Extremism" (Brussels: International Crisis Group, 2007).

209۔ مدرسے اتنی تعداد میں کیوں ہیں، کیوں ان کو اتنے فنڈ مل جاتے ہیں۔ 1980 میں عرب ملکوں کی دولت کا رخ ان مدرسوں کی طر روسی فوجوں کے خلاف جہاد کے حوالے سے شروع ہوا۔ بعد میں بھی یہ عمل جاری رہا اور پاکستان کی حالیہ تاریخ بھی اس حوالے سے مطالعے کا میدان ہے جو یہاں تفصیل سے بحث میں شامل نہیں کی گئی، اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے Warren کی کتابیں

"Madrassa Education"
"Pakistan: Karachi's Madrassas."

210۔ دیکھیے Ladbury کی کتاب

"Testing Hypotheses on Radicalisation," 30.

211۔ مثال کے لیے یہ خبر دیکھیں

"Soviet-era refugee camps becoming breeding grounds for Taleban," ANI, 13 October 2009.

212۔ دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"Between Patronage and Rebellion: Student Politics in Afghanistan" (Kabul: Afghanistan Research and Evaluation Unit, 2010).

213۔ دیکھیے فضل الرحمٰن مروت کی کتاب

From Muhajir to Mujahid (Peshawar: Pakistan Study Center, 2005).

214۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Negotiating with the Taliban.

215۔ دیکھیے طالبان اہلکاروں کے ساتھ انٹرویوز 2011

216۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Between Patronage and Rebellion."

217۔ مثال کے لیے دیکھیں

MashalBooks.org

Al Somood carries obituaries in every issue.

218۔ دیکھیے Ladbury کی کتاب

"Testing Hypotheses on Radicalisation."

219۔ افغان ٹیچرز اور صحافیوں سے ملاقاتیں 2011

220۔ دیکھیے Giustozzi اور Reuter کی کتاب

"The Northern Front"

دیکھیے Antonio Giustozzi کی کتاب

"Herat: quando i Taliban reclutano i Tagiki," Limes 2, (2010).

221۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Bureaucratic Façade," 169-92.

222۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

War, Politics and Society, 151.

223۔ یو این حکام کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں 2010

224۔ دیکھیے Antonio Giustozzi اور Christoph Reuter کی کتاب

"The Insurgents of the Afghan North" (Kabul: Afghanistan Analysts Network, 2011).

225۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

"Beyond the Pashtun"

دیکھیے Giustozzi اور Reuter کی کتاب

"The Northern Front."

226۔ ان مہاجروں کو اکثر اپنی پراپرٹی کا نقصان اٹھانا پڑا، خاندان کو جانی اور مالی نقصان ہوا جبکہ خود مہاجر کیمپوں میں حالات بہت برے تھے۔

227۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Negotiating with the Taliban.

گاہے گاہے یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ طالبان نے کچھی قبائل کو حمایت کی پیش کش کی جو زمین کے معاملے میں غیر پشتونوں، ہزارہ (واردک) سے نبرد آزما تھے اور ان قبائل نے اس مدد کو قبول بھی کیا تھا۔ تاہم یہ الزامات آزاد اور غیر جانبدارانہ سورس سے کنفرم نہیں ہو سکے۔ دیکھیے Tom Coghlan کا مضمون

MashalBooks.org

"Villagers forced out by 'Taliban' nomads," The Telegraph, 2 April 2008

اورJoshua Foust کا مضمون

"They're Probably Not Taliban,"

228۔ دیکھیے Ladbury کی کتاب

"Testing Hypotheses on Radicalisation," 19.

229۔ دیکھیے Giustozzi اور Reuter کی کتاب

"The Insurgents of the Afghan North."

230۔ یہ نتائج قیدیوں اور ہتھیار ڈالنے والے فائٹرز کے انٹرویوز سے نکالے گئے ہیں جو تعصب سے خالی نہ ہونے کہ وجہ سے غیر مستند کہے جا سکتے ہیں۔

231۔ دیکھیے اس رپورٹ کا سیکشن 5.7 جس میں قدامت پرست مسلمان آبادی اور قابض افواج کے مابین فرکشن کے حوالے سے بحث کی گئی ہے ۔ علاوہ ازیں دیکھیے Giustozz کی کتاب

"Afghanistan: 'Friction' between Civilizations"

دیکھیے Ladbury کی کتاب

"Testing Hypotheses on Radicalisation."

232۔ دیکھیے Giustozzi and Reuter کی کتاب

"The Northern Front."

233۔ دیکھیے Ladbury کی کتاب

"Helmand Justice Mapping Study."

234۔ دیکھیے Spencer Ackerman کا مضمون

"Taliban Pays Its Troops Better Than Karzai Pays His," Wired, July 26 2010

اور Glenn Kessler کا مضمون

"Pay increase for Afghan troops boosts interest," Washington Post, December 10 2009

اور Deirdre Tynan کا مضمون

"Afghanistan: If You Can't Beat the Taliban, Try to Buy Militants Off," Eurasia Insight, January 14 2010.

235۔ اے این اے اپریل 2010

اور Bill Roggio کی کتاب

MashalBooks.org

"Analysis: Al Qaeda maintains an extensive network in Afghanistan," Long War Journal, 29 July 2010

دیکھیے James Gordon Meek کا مضمون

"Al Qaeda in Afghanistan: Small in numbers, huge in impact on Taliban," New York Daily News, 23 August 2010.

236۔ یہ واضح ہے کہ ٹیکس وصول کرنے کی زیادہ صلاحیت تنظیم کی مضبوطی کے حوالے سے اثر رکھتی ہے۔ مزاحمت کاروں کو لازما یہ پتہ ہوتا ہے کہ دولت کہاں ہے اور اسے کیسے حاصل کرنا ہے۔ طالبان کیوں کہ ویل فنڈڈ ہیں اور حکومتی ایجنسیوں سے کہیں زیادہ مضبوط اور فعال ہیں اس لیے وہ موجودہ ابتری میں ٹیکس کی وصولی کے حوالے سے زیادہ کامیاب ہیں۔

237۔ دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Koran, Kalashnikov and Laptop

دیکھیے Giustozzi کی کتاب

Decoding the New Taliban

دیکھیے Waldman کی کتاب

"The Sun in the Sky."

238۔ دیکھیے A Sinno کی کتاب

Organizations at War in Afghanistan and Beyond

****

ختم شد

****

MashalBooks.org